امام مالک

اور

ان کی کتاب موطأ کا مقام

تألیف

مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی مظاہری

مترجم

مولانا فیروز اختر ندوی

ناشر

''مرکز الشیخ أبي الحسن الندوی''

جامعہ اسلامیہ، مظفر پور، اعظم گڑھ (یوپی، انڈیا)

نام کتاب	:	**امام مالک اوران کی کتاب موطأ کا مقام**
مؤلف	:	حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی مظاہری
مترجم	:	مولانا فیروز اختر ندوی
کمپوزنگ	:	مشتاق احمد غازی پوری
سن طباعت	:	۲۰۰۵ء / ۱۴۲۵ھ
ناشر	:	مرکز الشیخ أبی الحسن الندوی، جامعہ اسلامیہ مظفر پور اعظم گڑھ یوپی
صفحات	:	
قیمت	:	

ملنے کے پتے:

(۱) جامعہ اسلامیہ مظفر پور، اعظم گڑھ (یوپی)

فون: ۲۷۰۱۰۴، ۲۷۰۶۳۸، ۲۷۰ (۰۵۴۶۲)

(۲) مکتبہ ندویہ، دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ۔

(۳) مکتبہ نعیمیہ دیوبند، سہارنپور، یوپی۔

فہرست مضامین

امام مالک اور ان کی کتاب موطأ کا مقام

نمبر شمار	موضوع	صفحہ
۵۰	**باب دوم: موطأ امام مالک** **تالیف۔اہمیت۔خصائص**	

نمبر شمار	موضوع	صفحہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض مؤلف

الحمد للّٰه رب العالمين ، والصلوٰة والسلام علي سيدنا و مولانا محمد و على آله و صحبه أجمعين ـ

أما بعد !

یہ کتاب جو اردو میں ناظرین کے سامنے پیش کی جارہی ہے، آج سے تقریباً پچیس سال قبل ابوظہی کے چیف جسٹس شیخ احمد بن عبدالعزیز آل مبارک ؒ کی فرمائش پر تالیف کی گئی تھی ، جو اس ملک کے سب سے بڑے عالم اور فقہ مالکی میں امام سمجھے جاتے تھے، ان کی خواہش تھی کہ یہ کتاب متحدہ عرب امارات کے صدر سموالشیخ زاید بن سلطان آل نہیان (رحمہ اللہ) جو مالکی المذہب ہیں، ان کی خدمت میں پیش کریں۔

اس ناچیز نے اس موضوع پر عربی زبان اور اردو میں جو کچھ لکھا گیا تھا اس کو پڑھنے اور اس سے استفادہ کی کوشش کی ، چونکہ عربی زبان میں شیخ ابوزہرہ

کی عظیم الشان کتاب ’’الإمام مالک‘‘ شائع ہوکر مقبول ہوچکی تھی، اس لئے اس ناچیز نے اپنی اس کتاب میں موطأ مالک اور اس کی شروح کا تعارف اور موطأ کے خصائص اور اس سے استفادہ کے اصول کو پیش نظر رکھا۔

اس لئے اس کتاب کا خصوصی امتیاز امام مالک اور موطأ کا حدیثی پہلو ہے نیز یہ کتاب اس سے پہلے تین مرتبہ عربی زبان میں شائع ہوکر مقبول ہوچکی ہے، اس کا اندازہ شیخ احمد بن عبدالعزیز آل مبارکؒ اور وہاں کے بڑے عالم و جج شیخ بیہ بن سالک کے کلمات سے لگایا جاسکتا ہے۔

اس کتاب کا نیا اڈیشن حضرت مولانا محمد رابع حسنی ندوی ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے مقدمے کے ساتھ دارالبشائر الإسلامیہ بیروت سے شائع ہوا ہے اور یہ معلوم کرکے خوشی ہوئی کہ یہ اڈیشن بھی ختم ہونے کے قریب ہے، چونکہ اس ناچیز کو موطأ کی شرح ’’التعلیق الممجد‘‘ اور ’’اوجز المسالک‘‘ دونوں کتابوں کی خدمت کی سعادت حاصل ہے، اول الذکر تین جلدوں میں اور دوسری اٹھارہ جلدوں میں شائع ہوکر مقبول ہورہی ہیں، اس لئے اس کا تقاضہ دل میں پیدا ہوا کہ یہ کتاب شگفتہ اردو زبان میں بھی اگر آجائے تو طلباء مدارس اور اہل علم کے لیے ایک بہترین تحفہ ثابت ہو، اس کے لیے عزیز گرامی مولانا فیروز اختر ندوی کو مکلّف کیا کہ وہ شستہ و شگفتہ اردو زبان میں اس کے ترجمہ کی خدمت انجام دیں، چنانچہ انہوں نے پوری جانفشانی اور محنت سے نہایت شگفتہ اردو زبان میں اس کا ترجمہ پیش کیا، جس پر وہ مبارک باد کے مستحق ہیں، اور اب یہ کتاب مرکز الشیخ ابی الحسن الندوی کی طرف سے شائع کی جارہی ہے۔

اس مرکز کی طرف سے اردو میں یہ پہلی کتاب ہوگی جو ناظرین کے ہاتھوں میں جارہی ہے، امید ہے کہ پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھی جائے گی، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس کی بارگاہ میں یہ کوشش مقبول ہو، اور آئندہ مزید دوسری کتابوں کے پیش کرنے کی مرکز کی طرف سے سعادت حاصل ہو۔

وما ذلك على الله بعزيز.

تقی الدین ندوی
مدینۃ العین
۱۴۲۵/۱۱/۱۸ھ ۲۰۰۴/۱۲/۳۱ء
بعد نماز جمعہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

از: حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم

الحمد للّٰہ رب العالمین وصلوٰته وسلامه علی رسوله الأمي الأمین ، خاتم النبیین محمد بن عبداللّٰه وعلی آله وصحبه الغر المیامین ، أما بعد !

اسلام اللہ کا وہ آخری عالمگیر مذہب ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے خاتم النبیین جناب محمد رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ مکمل کر کے اپنی نعمت کی تکمیل فرمادی اور پھر اپنے مسلمان بندوں کے لئے اس دین کو آخری دین کے طور پر پسند فرمالیا، اب یہی دین قیامت تک باقی رہے گا۔

اللہ تعالیٰ نے قیامت تک کے لئے اس دین کے نہ صرف بقاء وتحفظ کا انتظام فرمایا بلکہ ہر زمانہ میں اس دین کے مخلص داعی وترجمان، شارح ومبلغ، احکام دین کی توضیح وتشریح اور تعلیم وتلقین کا فریضہ انجام دینے والے اور بدلتے حالات میں پیش آمدہ نت نئے مسائل کا حل، قرآن وحدیث کی روشنی میں ڈھونڈنے اور احکام مستنبط کرنے والے افراد بھی پیدا کئے ، اسی کے ساتھ

رسول اللہ ﷺ کی سیرت کے مختلف گوشوں اور پہلوؤں سے دنیا کو روشناس کرانے کا بھی انتظام فرمایا، تاکہ لوگ اپنی زندگی میں اسوۂ نبوی سے روشنی حاصل کرسکیں، اسی اہم مقصد کی خاطر حدیث شریف کا فن وجود میں آیا۔

علم حدیث کے اولین ناقل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے رسول اللہ ﷺ کی احادیث مبارکہ کی روایت کی، پھر ان کے بعد حضرات تابعین نے پوری امانت ودیانت کے ساتھ اس حدیثی ذخیرہ کو بعد والوں تک منتقل فرمایا، پھر فن حدیث سے شغف رکھنے والوں نے اس پورے قیمتی سرمایہ کو مختلف مجموعوں اور کتابوں میں جمع کردیا، جس کے نتیجہ میں فن حدیث کی کتابیں منصۂ شہود پر آئیں، جن میں سرفہرست امام مالک ابن انس اصبحی کی کتاب ''موطأ'' اور امام محمد بن اسماعیل بخاری کی کتاب ''الجامع الصحیح'' ہے، جس کی دقت روایت و امانت میں کسی کلام کی گنجائش نہیں۔

کتب حدیث کے دیگر مؤلفین کے مقابلہ میں امام مالک ابن انس تقدم زمانی میں سب سے ممتاز ہیں، آپ نے پہلی صدی ہجری کی آخری دہائی سے دوسری صدی کی آٹھویں دہائی تک مدینہ منورہ کی فضاؤں میں زندگی بسر کی، جہاں صحابہ کرام کے قرب ومعیت میں رہ کر حدیث شریف کی خدمت انجام دی، اس طرح اولین اسلامی ودینی ثقافت سے آپ کی باخبری قریبی اور گہری ہے۔

امام مالک کی عملی زندگی بھی اسوۂ نبوی کے عین مطابق تھی، ورع واحتیاط اور تقوی وطہارت کے معیار بلند پر آپ فائز تھے، سخت ترین حالات کے مقابلے

میں آپ ثابت قدم رہے اور حق اور خدمت علم کی راہ میں ہر تکلیف اس طرح برداشت کی کہ ایک متقی مومن، مجاہد فی سبیل اللہ اور خادم کی حیثیت سے ایک دلکش مثال بن گئے۔

''موطأ امام مالک'' کی اہمیت پر سب کا اتفاق ہے، اس پر بھی اتفاق ہے کہ وہ احکام خداوندی کی معرفت کے حصول میں قرآن مجید کے بعد اولین سرچشموں میں سے ایک اہم سرچشمہ ہے، علماء نے اس عظیم الشان کتاب کی خدمت شرح وتوضیح کی شکل میں کی اوراس سے استفادہ کیا، ان شارحین ''موطأ''میں ہندوستان کے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ بھی شامل ہیں، جنہوں نے ''أوجز المسالک إلی موطأ مالک'' کی شرح کے ذریعہ حدیث شریف کے کتب خانہ میں گرانقدر اضافہ کیا ہے، تمام عالم اسلام میں حدیث شریف سے شغف رکھنے والوں نے اس عظیم الشان شرح کی بیحد پذیرائی کی اوراس سے پورا فائدہ اٹھایا، آپ کے کئی شاگردوں نے اس عظیم الشان شرح کی عمدہ اور قابل قدر طباعت واشاعت کا اہتمام کیا، جن میں سرفہرست حدیث کے جلیل القدر عالم مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی مظاہری ہیں، جن کی بے پناہ محنت واہتمام اور بیش قیمت تحقیق وتعلیق کے ساتھ نہایت عمدہ طباعت سے آراستہ ''أوجز المسالک إلی موطأ مالک'' اٹھارہ جلدوں میں حال ہی میں شائع ہوکر مقبول خاص و عام ہورہی ہے، علم حدیث سے خصوصی تعلق رکھنے والوں کی طرف سے موصوف بجاطور پر تعریف وتوصیف اور قدر وتحسین کے مستحق ہیں۔

مولانا ڈاکٹر تقی الدین صاحب ندوی مظاہری نے ''أوجز المسالک إلی موطأ مالک'' کی طباعت واشاعت کے ساتھ ایک کام یہ بھی کیا کہ انہوں نے امام دارالہجرۃ امام مالک بن انس کے حالات زندگی اوران کی کتاب ''موطأ'' کی اہمیت وخصائص کے موضوع پر ایک مستقل کتاب تصنیف فرمادی، جس میں انتہائی کوشش ومحنت کے ساتھ امام مالک کی زندگی کے سارے علمی وعملی گوشے اور ان کی کتاب ''موطأ'' کے جملہ خصائص وامتیازات واضح انداز میں بیان کئے گئے ہیں، اس کتاب کے کئی ایڈیشن نکلے، پھر آپ نے اس کتاب کو مزید نکھارا اور اس میں قیمتی فوائد کا اضافہ کیا، جس کے بعد یہ کتاب مزید مفید اور اپنے موضوع پر شائقین کے لئے عمدہ تحفہ ہوگئی ہے، امام مالک کی زندگی اور ان کی کتاب ''موطأ'' کو سمجھنے کے لئے یہ کتاب ایک مأخذ اور مرجع کی حیثیت رکھتی ہے۔

میں مصنف کے اس عظیم الشان کارنامہ کی دل کی گہرائیوں سے قدر کرتا ہوں، اوراس نئے ایڈیشن کے لئے یہ چند سطریں سپرد قلم کرتے ہوئے بیحد خوشی محسوس کررہا ہوں، اللہ تعالیٰ مصنف کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

(حضرت مولانا) محمد رابع حسنی ندوی
ناظم دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ
٦/٤/١٤٢٣ھ مطابق: ١٨/٦/٢٠٠٢ء

پیش لفظ

از: علامہ احمد بن عبدالعزیز آل مبارک
رئیس القضاء الشرعی، متحدہ عرب امارات

الحمد للّٰه رب العالمين ، والصلوٰة والسلام على أشرف المرسلين ، أما بعد !

ہمارے فاضل دوست مولانا تقی الدین ابن بدرالدین ندوی نے امام الأئمۃ، ناصرالسنہ، امام المدینہ حضرت امام مالک بن انسؒ کے حالات زندگی پر ایک کتاب تصنیف فرمائی ہے، میرے خیال میں یہ امام مالک کی زندگی کے تمام گوشوں پر محیط وشامل ہے، امام مالک کے مقام ومرتبہ اورعلم وفضل کے معیار کو سمجھنے کے لئے یہ کتاب ایک سند اور مرجع کی حیثیت رکھتی ہے، کیونکہ مؤلف موصوف نے اس میں امام مالک کی زندگی کے ہر گوشے کا احاطہ بخوبی کیا ہے، اگرچہ امام مالک کی شخصیت محتاج تعارف نہیں کہ وہ آفتاب نصف النہار کی طرح عیاں اور روشن تھے۔

لیکن جو لوگ امام مالک کے بارے میں گہری واقفیت نہیں رکھتے ہیں ان کے لئے مؤلف نے اس کتاب میں بیش بہا معلومات جمع کر دیئے ہیں اور بعض مخفی گوشوں کو پوری طرح اجاگر کیا ہے، نیز متقدمین ومتأخرین کے اس قدر اقوال اس کتاب میں مؤلف نے جمع کر دیئے ہیں کہ میرے علم میں اس کی مثال کہیں اور نہیں ملتی ،اور یہ فاضل مؤلف کی کثرت مطالعہ اور مفید کتابوں سے استفادہ کا ثمرہ ہے، اللہ تعالیٰ مؤلف کو تمام مسلمانوں کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائیں ،ان کو جادۂ حق پر ہمیشہ قائم رکھیں اور ان کے علم وافر سے بندوں کو فائدہ پہونچنے کا سلسلہ جاری رکھیں۔

احمد عبد العزیز آل مبارک (مرحوم)
رئیس القضاۃ، متحدہ عرب امارات
۱۳۹۸/۲/۱۱ھ

تقریظ

از:فضیلۃ الشیخ بیہ بن السالک شنقیطی مالکی

الحمد للّٰہ تعالیٰ جدہ وعلا ، والصلوٰۃ والسلام علی نبیہ و مصطفاہ ، وعلی آلہ وصحبہ و من اھتدی بھداہ ۔

أما بعد !

حکومت متحدہ عرب امارات کے قاضی القضاۃ جناب احمد بن عبدالعزیز آل مبارک کے حکم سے میں نے امام مالک کی سیرت پر ڈاکٹر تقی الدین ندوی مظاہری (پروفیسر حدیث) کی کتاب کا مطالعہ کیا ،حق یہ ہے کہ مؤلف نے اس میں جومعلومات پیش کئے ہیں میں نے کسی اور کتاب میں نہیں دیکھے۔

اس فن کی مشہور ومتداول ،معتبر اور مستقل مراجع کی بیشتر چیزیں مؤلف نے اس کتاب میں جمع کردی ہیں ،قاضی عیاض کی ''ترتیب المدارک'' ابن فرحون کی ''الدیباج المذہب فی علماء المذہب'' شیخ تنبکتی کی ''الدیباج'' جو''نیل الابتہاج بتطریز الدیباج'' کے نام سے مشہور ہے ،اسی طرح ''بستان المحدثین''، ''تذکرۃ الحفاظ''اور دیگر کتب تراجم اور علامۂ وقت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا

کاندھلویؒ کی ''موطأ'' پرلکھی گئی جامع ترین شرح ''أوجز المسالك إلى موطأ مالك '' کے مقدمہ سے مؤلف نے پورا استفادہ کیا ہے۔

مولانا تقی الدین ندوی نے شروع میں امام مالک کے ابتدائی حالات زندگی، پیدائش، تعلیم وتربیت، اساتذہ سے کسب فیض، علماء مدینہ سے استفادہ اور آپ کی ذہانت وفطانت، طلب علم کی حرص، اخلاق عالیہ، بیدار مغزی اور پابندیٔ شریعت کا بہت تفصیل سے تذکرہ کیا ہے، پھر پورے شرح وبسط کے ساتھ آپ کی جملہ تصنیفات، ورع وتقوی کے واقعات اور شیوخ وتلامذہ کے حالات بیان کئے ہیں، دیگر علماء وفضلاء نے امام مالک کی تصنیفات کی جس قدر خدمت کی اور شرح و تعلیق اور بحث وتحقیق کے ذریعہ جو اعتناء کیا، مؤلف نے کما حقہ تمام مباحث کو بھی پیش کرنے کے ساتھ نقل واقعہ میں ہر جگہ پوری امانت داری کا ثبوت دیا ہے، اور جو واقعہ جس کتاب سے لیا گیا ہے کوشش کی گئی ہے کہ روایات کے الفاظ من وعن نقل کئے جائیں، ان میں تصرف کم ہی کیا گیا ہے۔

میں اللہ کی بارگاہ میں دست بدعا ہوں کہ اللہ ہم سب کو خیر کی توفیق عطا فرمائیں اور مؤلف کو ان کی علمی خدمات کا پورا پورا اجر عطا فرمائیں، انہ سمیع قریب۔

بیہ بن السالک

(سابق) قاضی محکمۂ شرعیہ ابوظبی

۱۹۷۸/۱/۲۱ء

دیباچہ طبع اول

الحمد لله رب العالمين ،والصلوٰة والسلام على أشرف المرسلين و خاتم النبيين محمدوعلى آله وصحبه أجمعين ، ومن تبعهم بإحسان إلى يوم الدين ، أما بعد !

ناچیز کے قلم سے اردو زبان میں تذکرہ نگاری کے موضوع پر پہلی کتاب ''محدثین عظام اور ان کے علمی کارنامے'' منصۂ شہود پر آئی اور علمی حلقوں میں بہت جلد مقبول ہوئی ، جس میں ائمہ اربعہ، اصحاب صحاح ستہ اور امام طحاوی کے حالات زندگی بیان کئے گئے تھے، یہ کتاب ہندوپاک میں بار بار طبع ہوئی ، علماء نے خاص طور پر اس کی بڑی پذیرائی کی ، جب میں ابوظبی پہونچا تو وہاں کے قاضی القضاۃ احمد بن عبدالعزیز آل مبارک نے مجھ سے فرمائش کی کہ امام مالک کے حالات زندگی ، ان کی بے نظیر تصنیف موطأ کی خصوصیات اور فقہ مالکی پر ایک کتاب تصنیف کروں، میں نے خندہ پیشانی کے ساتھ اس فرمائش کو قبول کیا اور اپنی ''محدثین عظام'' کو بنیاد بنا کر ایک کتاب تیار کر دی جو '' الإمام مالك ومكانة كتابه الموطأ '' (امام مالک اور ان کی کتاب موطأ کا مقام) کے نام سے آپ کے پیش نظر ہے۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کی فن حدیث سے متعلق کئی تالیفات ہیں، جن میں سرفہرست ''موطأ مالک'' کی شرح ''أوجز المسالک'' ہے، اس کتاب کے شروع میں ایک بیش بہا مقدمہ ہے، جو اپنی جامعیت کے لحاظ سے امام مالک کے حالات اور ''موطأ'' کی خصوصیات پر ایک انسائیکلوپیڈیا کی حیثیت رکھتا ہے، میں نے اس کتاب کی ترتیب میں اس مقدمہ سے بہت فائدہ اٹھایا ہے۔

مجھے امید ہے کہ امام مالک اور ان کی کتاب ''موطأ'' کے مقام ومرتبہ کی تفہیم میں اہل علم کے لیے یہ کتاب ایک بہت بڑا ذریعہ اور معاون ثابت ہوگی۔

یہ کتاب دو بابوں پر مشتمل ہے، باب اول میں امام مالک کے حالات زندگی، طلب علم اور خدمت حدیث کی تفصیل اور ظاہری وباطنی اوصاف وکمالات بیان کئے گئے ہیں، اور باب دوم امام مالک کی اہم ترین کتاب ''موطأ'' کی تالیف، مقام ومرتبہ اور امتیازات وخصائص پر مشتمل ہے۔

اللہ کی بارگاہ میں دست بدعا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو طالبان علوم نبوت اور اساتذۂ حدیث کے لیے نفع بخش بنائیں، اور ان کے دلوں میں امام مالک کی علمی خدمات کی قدر ومحبت اور اس جلیل القدر کتاب ''موطأ'' سے رجوع اور استفادہ کا شوق بہم پہونچائیں۔ واللّٰه ولي التوفيق۔

تقی الدین ندوی (ابوظبی)

۱۹۷۸/۱/۱۰ء

دیباچہ طبع جدید

الحمد للّٰه رب العالمين،والصلوٰة والسلام على أشرف المرسلين و خاتم النبيين محمد وعلى آله وصحبه أجمعين ، ومن تبعهم بإحسان إلى يوم الدين ۔

أما بعد !

حکومت ابوظبی کے رئیس القضاۃ احمد عبدالعزیز آل مبارک کی فرمائش پر بیس سال قبل میں نے عربی زبان میں ''الإمام مالك و مكانة كتابه الموطأ'' کے نام سے ایک علمی کاوش پیش کی تھی، علماء و محققین کے درمیان اسے حسن قبول حاصل ہوا اور اس کے تین ایڈیشن شائع ہوئے۔

اب کتاب پر نظر ثانی کا موقع ملا تو بعض قیمتی فوائد کے اضافہ کی ضرورت محسوس ہوئی، زیر نظر طبع نو میں یہ اضافے بھی شامل ہیں۔

اس تصنیف کا مقصد ایک تو یہ جذبہ تھا کہ امام دارالہجرۃ حضرت امام مالک کے حالات زندگی قلمبند کرنے کی سعادت کچھ میرے نصیب میں بھی آجائے اور دوسرے یہ بھی کہ اس کتاب کے مطالعہ سے علماء ومحققین کے اندر امام مالک کی زندگی اور ان کی کتاب کے خصائص کا علم اور موطأ کی شروح خصوصاً ''التعليق الممجد'' اور ''اوجز المسالك'' سے استفادہ کا شوق پیدا ہو۔

والله يقول الحق وهو يهدى السبيل ، والحمد لله أولا وآخرا ، وصلى الله على خير خلقه سيدنا ومولانا محمد وآله وصحبه أجمعين ۔

تقی الدین ندوی
یوم جمعہ بوقت عصر
مدینۃ العین، متحدہ عرب امارات
۱۵رشعبان المعظم ۱۳۹۹ھ

باب اول

شخصیت ـــــــــ خدمات

باسمہ تعالیٰ

امام مالکؒ کے عصر پر ایک طائرانہ نظر

پہلی صدی ہجری کے ختم ہونے میں سات سال باقی تھے کہ حضرت امام مالکؒ کی ولادت ہوئی اور دوسری صدی ہجری پوری ہونے سے تقریباً بیس سال پہلے آپ کی وفات ہوئی، اس طرح آپ نے تقریباً ۸۷ سال کی عمر پائی۔

امام مالکؒ کی نصف زندگی بنوامیہ کے عہد میں گزری اور نصف زندگی بنوعباس کے دور خلافت میں، اس طرح آپ نے اپنی آنکھوں سے اپنے وقت کی دو ایسی عظیم ترین اور وسیع ترین حکومتوں کا مشاہدہ کیا، جن کے عہد میں اسلام کا دامن وسیع تر ہوا، اور اسلامی احکام کی حکمرانی بھی مستحکم ہوئی، اسلام کا پرچم مشرق میں چین تک اور مغرب میں وسط یورپ اور بحر ظلمات کے ساحل تک لہرانے لگا، بنوامیہ اور بنوعباس کی حکمرانی ''خلافت'' کے مقدس نام سے تھی، لیکن دراصل یہ ایک طرح کی ملوکیت اور خلافت راشدہ جیسے شورائی نظام کے بجائے آمرانہ اور شاہانہ حکمرانی تھی۔

امام مالکؒ کا زمانہ اس لحاظ سے بھی بہت ممتاز نظر آتا ہے کہ دینی اور دنیاوی مکاتب فکر اس وقت کثرت سے جنم لے رہے تھے، نئی نئی فکری اور سیاسی

تحریکیں بھی ابھر رہی تھیں، فتنوں اور شورشوں نے بھی سر اٹھانا شروع کر دیا تھا اور اسلام نے جن جاہلی اور قبائلی عصبیتوں، جھگڑوں اور غلط رجحانات پر کاری ضرب لگائی تھی وہ دوبارہ سر اٹھانے لگے تھے، جس جاہلی فکر سے رسول اللہ ﷺ نے سختی کے ساتھ یہ کہہ کر روکا تھا کہ:

''اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے تم سے جاہلیت کی نخوت اور آباء واجداد پر غرور وفخر کو ممنوع قرار دیا ہے، تمام لوگ آدم سے ہیں اور آدم مٹی سے ہیں''۔(۱)

لیکن امام مالک کے زمانہ میں یہی جاہلیت دوبارہ نئے لباس میں ظاہر ہونے لگی، اسلام کے ذریعہ جس جاہلانہ عصبیت کی بیخ کنی شہروں اور مرکزی جگہوں سے ہو چکی تھی، اسی عصبیت نے عرب کے بادیہ اور دیہات میں اپنا نشیمن تلاش کرنا شروع کر دیا اور امام مالکؒ کے زمانہ میں اس کے بال و پر ظاہر ہونے لگے۔

مزید ستم یہ ہوا کہ یہ قابل مذمت عصبیت اور گروہی وقبائلی نخوت بنو امیہ و بنو عباس کے زمانہ میں نہ صرف پروان چڑھی بلکہ معیار فضیلت اور قابل فخر سرمایہ بن گئی، ظاہر ہے کہ یہ گروہی وقبائلی خودغرضی اسلام کی روح اور اس کے اجتماعی مفاد کے لئے انفرادی خودغرضی سے کہیں زیادہ خطرناک تھی، حالانکہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے دور میں یہ خودغرضی اور عصبیت انتہائی درجہ قابل نفرت اور جاہلیت کی بدترین نشانی تھی۔

---

(۱) دیکھئے: ''زاد المعاد'' (۳/۳۵۹) والحدیث أورده ابن ہشام (۲/۴۱۲)۔

ایسے حالات میں صاف نظر آرہا تھا کہ اس وقت کا معاشرہ مختلف قسم کے فتنوں اور سازشوں کا آسانی کے ساتھ شکار بن جانے کے لئے تیار ہو چکا ہے۔

مادی اور اجتماعی زندگی کا دائرہ بھی بہت تیزی کے ساتھ پھیلتا جارہا تھا، اللہ تعالیٰ نے عرب اور مسلمانوں کے لئے فتوحات کے دروازے کھول دیئے تھے، یکے بعد دیگرے مختلف ممالک اسلام کے زیرنگیں آرہے تھے، اسی لحاظ سے زندگی کے تقاضے بھی بڑھتے جارہے تھے، جس کے نتیجہ میں دینی وشرعی احکام اور ترقی پذیر انسانی معاشرہ کے درمیان ہم آہنگی پیدا کرنے کی ضرورت بھی بڑھتی جارہی تھی۔

فقہ اسلامی کے مختلف نقطہائے نظر اور مکاتب فکر کے ظہور کا سبب یہی ماحول تھا، چنانچہ علمی ودینی حیثیت سے دوطریقے یا دو مکتب فکر نمایاں طور پر ظاہر ہوئے۔

پہلا مکتب فکر اصحاب حدیث کا تھا جو قرآن وحدیث کے نصوص کا پابند تھا، اس مکتب فکر کے بے شمار مؤیدین اور حامی تھے۔

دوسرا مکتب فکر اہل الرائے کا تھا جو قرآن وحدیث کے قبول واحترام میں فکر واستنباط واجتہاد کا اضافہ بھی روا رکھنے کا قائل تھا۔

اس دوسرے مکتب فکر کو بھی مختلف حلقوں کی طرف سے تائید وحمایت حاصل تھی، اس مکتب فکر اور اس کے فروغ کو تقویت کسی نہ کسی حد تک معاشرہ کی ترقی اور وسعت پذیری سے بھی ملی۔

اہل الرائے کا مرکز عراق تھا، اس لئے کہ عراق ہی اس وقت اسلامی علمی سرگرمیوں کا علمبردار تھا۔

اصحاب حدیث کا اثر اہل حجاز مقدس پر عموماً اور اہالی مدینہ منورہ پر خاص طور سے نمایاں تھا۔

امام مالکؒ کی زندگی چونکہ مدینہ ہی میں گزری لہٰذا ان کی شخصیت پر مدینہ اور مدینہ کے افراد و ماحول کا اثر پڑنا ناگزیر تھا۔

امام مالکؒ کی ولادت اموی خلیفہ ولید بن عبدالملک کے زمانہ میں اور وفات بنوعباس کے نامور خلیفہ ہارون رشید کے زمانہ میں ہوئی، اس طرح انہوں نے اموی اور عباسی دور کی جملہ خصوصیات کا بچشم خود مشاہدہ کیا تھا، آپ نے دونوں حکومتوں کی آویزش وکشمکش اور مسلم معاشرہ میں ابھرتے رجحانات و میلانات اور اسلامی، عربی، ہندوستانی اور فارسی کی مخلوط ثقافت بھی دیکھی تھی۔

انہوں نے اپنی طویل زندگی میں عباسیوں اور علویوں کی آویزش بھی دیکھی، خوارج اور ان کی قساوت وخودسری کے واقعات بھی دیکھے، شیعہ اور اہل سنت اور خوارج کے نزاعات کا بھی مشاہدہ کیا، ان تمام چیزوں کا ان کے طرز فکر پر گہرا اثر پڑا۔

امام مالکؒ کے زمانہ کی خصوصاً دینی اور سیاسی گوشوں کی یہ ایک ہلکی جھلک تھی، جس سے آپ اس زمانہ کی نزاکت کو محسوس کر سکتے ہیں، اگلے صفحات میں امام مالکؒ کے حالات زندگی پر روشنی ڈالی جارہی ہے۔

امام مالکؒ بن انس

نسب:

امام مالکؒ اسلام کے بلند پایہ افراد اور جلیل القدر ائمہ میں تھے، ''فقیہ الامت'' اور ''امام دارالھجرۃ'' آپ کا لقب تھا، آپ کا سلسلۂ نسب یوں ہے:

ابوعبداللہ مالک بن انس بن مالک بن ابی عامر بن عمرو بن الحارث بن غیمان (۱) ابن جثیل بن عمرو بن الحارث اصبحی (۲)۔

آپ کا خاندان جاہلیت اور اسلام دونوں زمانوں میں ممتاز تھا، آپ کے جداعلیٰ قبیلہ ''اصبح'' سے تعلق رکھتے تھے جو حمیر کی ایک شاخ ہے، اس لئے آپ کے مورث ذی اصبح کے لقب سے مشہور ہوئے، آپ بلا اختلاف قحطانی ہیں۔

آپ کے خاندان میں سب سے پہلے ابو عامر مشرف بہ اسلام ہوئے، ابو عامر کی صحابیت کے بارے میں اصحاب رجال میں اختلاف رائے ہے، امام ذہبی نے ''تجرید الصحابہ'' میں ذکر کیا ہے:

''لم أر أحدا ذكره في الصحابة وكان في زمن النبي ﷺ''

(میں نے کسی کو بھی نہیں دیکھا کہ ابو عامر کو صحابہ میں ذکر کیا ہو، لیکن آپ نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں موجود تھے)۔

---

(۱) ایک روایت عثمان کی بھی ہے، لیکن ابن فرحون نے غیمان والی روایت کو اختیار کیا ہے (۲) ''تذکرۃ الحفاظ'' (۲۰۷/۱) ''وفیات الأعیان'' (۱۳۵/۴) ''البدایہ والنھایہ'' (۱۷۷/۱۰) ''سیر أعلام النبلاء'' (۴۸/۸) ''الإصابہ'' (۷۷۹/۴)۔

لیکن قاضی عیاض نے قاضی ابوبکر بن العلاء قشیری کے حوالہ سے کہا ہے کہ ابو عامر جلیل القدر صحابی ہیں جو غزوہ بدر کے علاوہ تمام غزوات میں شریک ہوئے، سیوطی نے ''تنویر الحوالک'' میں اس کا تذکرہ کیا ہے اور توثیق بھی کی ہے۔(۱)

امام صاحب کے دادا مالک بن ابی عامر جلیل القدر تابعی اور صحاح کے رواۃ میں سے ہیں جن کی وفات راجح قول کے مطابق ۷۴ھ ہے۔(زرقانی)

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد جن لوگوں نے رات میں چھپ کر ان کی نعش مبارک کو بڑی راز داری سے دفن کیا تھا ان میں مالک بن ابی عامر بھی تھے، حافظ ذہبی فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ سے ان کا سماع ثابت ہے۔

مالک بن ابی عامر کے تین بیٹے تھے۔

(۱) انس جو امام مالکؒ کے والد بزرگوار ہیں۔

(۲) ابوسہیل نافع، امام مالکؒ نے ''موطأ'' میں ان سے کثرت سے حدیثیں روایت کی ہیں اور یہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور دیگر صحابہ سے روایت کرتے ہیں، یہ صحاح کے بھی رواۃ میں سے ہیں، ابوالعباس کے دور خلافت میں آپ کا انتقال ہوا۔

(۳) ربیع، حافظ ابن حجرؒ نے بیان کیا ہے کہ یہ اپنے والد حضرت مالک بن ابی عامر سے حدیث روایت کرتے ہیں، زرقانی نے بھی ان کو امام مالک بن ابی عامر کے راویوں میں شمار کیا ہے(۲)، لیکن صحاح ستہ ان کی روایت سے خالی ہے، ''موطأ امام مالک'' اور ''موطأ امام محمد'' میں بھی ان کی روایت نہیں ملتی۔

---

(۱) ''تنویر الحوالک'' (ص ۳)۔ (۲) ''شرح الزرقانی'' (۲/۱)۔

امام مالکؒ کے والد محترم حضرت انس سے بھی صحاح ستہ میں کوئی روایت نہیں ملتی ،لیکن حافظ کے قول کے مطابق انس اپنے والد مالک بن ابی عامر سے روایت کرتے ہیں۔

امام مالک کی والدہ کا نام عالیۃ بنت شریک بن عبدالرحمٰن اُزدیہ ہے، ایک قول یہ بھی ہے کہ ان کا نام طلیحۃ تھا جو عبیداللہ بن معمر کی باندی تھیں۔

ولادت:

''طبقات الفقہاء'' میں یافعی نے امام مالک کی تاریخ ولادت ۹۴ھ لکھی ہے،ابن خلکان وغیرہ نے ۹۵ھ بتائی ہے،''تذکرۃ الحفاظ'' میں ذہبی نے ۹۰ھ لکھی ہے(۱)،لیکن یحییٰ بن بکیر جو امام مالکؒ کے خاص شاگرد تھے،وہ کہتے ہیں کہ میں نے خود امام مالکؒ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میری پیدائش ۹۳ھ کی ہے، سمعانی نے اس قول کو اختیار کرکے کہا ہے کہ اس کی سند یحییٰ بن بکیر تک متصل ہے، ابن فرحون نے بھی اس قول کو اختیار کیا ہے۔

امام مالکؒ کی جائے پیدائش:

امام مالکؒ کا مولد ومسکن مدینہ منورہ ہے جو رسول اللہ ﷺ کا شہر اور آپ کی ہجرت گاہ اور آخری قیام گاہ ہے،مدینہ منورہ شریعت اسلامی کا مرکز اولین اور نور ہدایت کا منبع شیریں ہے، سنن واحکام کا گہوارہ اور فقہ وفتاویٰ کی پہلی درسگاہ ہے،اور پہلی اسلامی حکومت کا پایہ تخت بھی،یہیں اسلام کا پہلا قافلہ نو بہار فروکش

(۱)''تذکرۃ الحفاظ''(۱/۲۰۷)

ہوا تھا،صحابہ اوران کے تلامذہ کی ایک بڑی تعداد سے ہمیشہ مدینہ کی فضا معمور رہی، ایسی پاکیزہ اور پرنور فضا میں امام مالکؒ نے اپنی آنکھیں کھولیں اور تربیت پائی۔

مدینہ کے فضائل بے شمار ہیں، احادیث مبارکہ میں مدینہ کی فضیلت وشرف کا بکثرت ذکر ملتا ہے،محدثین نے اپنی کتابوں میں مدینہ کے فضل ومرتبہ کا مستقل باب قائم کیا ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشادفرمایا کہ مدینہ کے راستوں پرفرشتے موجودرہتے ہیں،اس میں نہ دجال داخل ہوسکتا ہے نہ طاعون(۱)۔

مالک بن انس فرماتے ہیں: مدینہ شہداء کرام کا مشہد مقدس ہے، اس کے راستوں پر فرشتے رہتے ہیں جو مدینہ کی حفاظت کا فریضہ انجام دیتے ہیں، اس میں نہ دجال داخل ہوسکتا ہے نہ طاعون، یہ رسول اکرم ﷺ کی ہجرت گاہ اور سنت نبوی کی قرارگاہ ہے، نبی کریم ﷺ اوران کے اصحاب کے بعد بھی یہ بہترین انسانوں کا مسکن ہے، رسول اکرم ﷺ نے وفات کے بعد مدینہ ہی کو اپنی آخری آرام گاہ تجویز فرمایا، مدینہ میں رسول اللہ ﷺ کا منبر شریف ہے، یہ خصوصیات وفضائل کسی اور شہر کو حاصل نہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ مدینہ کی خاک سے اس امت کے اشراف پیدا ہوتے رہیں گے،(یہ بات امام مالک اپنی طرف سے نہیں کہہ سکتے کیوں کہ اس کا تعلق قیاس سے نہیں ہے)(۲)۔

---

(۱)امام بخاری نے ''فضل المدینۃ'' کے باب میں اس کی روایت کی ہے(۲۲۳/۲)،امام مسلم نے بھی اپنی ''صحیح'' میں اس کو بیان کیا ہے،ح(۱۳۷۹)(۱۰۰۵/۲)۔ (۲)''المدارک''(۳۴/۱)۔

جعفر بن محمد کہتے ہیں : امام مالک سے کسی نے پوچھا کہ آپ نے دیہات کے سبزہ زاروں کو چھوڑ کر مدینہ میں سکونت اختیار کیوں کی؟ انہوں نے جواب دیا، مدینہ کو کیوں نہ ترجیح دوں جب کہ مدینہ کی ہر ہر گلی رسول اللہ ﷺ کے مبارک نقشہائے قدم سے سرفراز ہے، مدینہ ہی ایسا شہر ہے جہاں حضرت جبرئیل علیہ السلام ایک لمحہ سے بھی کم وقت میں رب العالمین کی طرف سے احکام وآیات لیکر آتے رہے(۱)۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز مختلف علاقوں اور شہروں کے باشندوں کے نام سنن واحکام کی تعلیم کی غرض سے خطوط روانہ فرماتے تھے اور اہل مدینہ کے پاس جب خطوط روانہ کرتے تو ان سے پچھلے دور کے واقعات پوچھتے اور اہل مدینہ کے عمل کو حجت مانتے۔

(اہل مدینہ کے عمل کے سلسلہ میں سیر حاصل بحث آگے آئے گی)۔

ابتدائے عمر میں کمال کے آثار:

صغر سنی ہی سے امام مالک کی پیشانی پر ذکاوت وفطانت اور کمال ومہارت کے آثار ہویدا تھے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو ذہن رسا اور قوی حافظہ عطا کیا تھا، آپ نے بچپن ہی میں قرآن شریف حفظ کرلیا تھا، پھر حدیث نبوی کو یاد کرنے میں مشغول ہوئے، گھر کا ماحول اور مدینہ کی فضا حدیث کے ذکر سے معمور تھی، گھر گھر علم حدیث کا چرچا تھا، امام کا گھرانہ خود اس فن میں ایک امتیاز رکھتا تھا، گھر والوں کی رائے ہوئی کہ یہ بچہ علماء کے درس میں شریک ہوکر علم کے

---

(۱) ''المدارک'' (۱/۴۴)۔

لعل وجواہر سے اپنے دامنِ مراد کو بھر لے،انھوں نے اپنی والدہ سے اس کا تذکرہ کیا، وہ بے انتہا خوش ہوئیں اوران کو اچھے کپڑے پہنائے، سر پر پگڑی باندھی اور یہ کہہ کر حضرت ربیعہ کی مجلس میں بھیج دیا کہ بیٹے! ربیعہ کی مجلسِ درس میں جاؤاوران سے علم وادب حاصل کرو(۱)۔

امام مالک کے بعض معاصرین فرماتے ہیں: میں نے امام مالک کو دیکھا کہ وہ بچپن ہی سے اپنی لکھی ہوئی چیزوں کو یاد کرلیا کرتے تھے،درس کی مجلس سے اٹھتے تو درختوں کے سایہ میں آکر بیٹھ جاتے اور جو کچھ پڑھا ہوتا سب دہرالیا کرتے،ایک مرتبہ ان کی بہن نے ان کو درخت کے سایہ میں بیٹھے دیکھا تو اپنے ابا جان سے آکراس کا تذکرہ کیا،ابا جان نے فرمایا بیٹی! وہ رسول اللہ ﷺ کی حدیثیں یاد کیا کرتے ہیں۔

طلب علم کے لئے محنت وجانفشانی:

امام مالک فرماتے ہیں: میرا ایک بھائی ابن شہاب کی عمر کا تھا،میرے والد نے ایک دن ہم دونوں سے ایک مسئلہ دریافت کیا،میرے بھائی نے صحیح جواب دیاجب کہ میرا جواب صحیح نہیں تھا،میرے والد نے فرمایا''تمھیں کبوتر سے کہاں فرصت کہ علم کی تحصیل میں لگو''،اس جملہ کا میرے دل پر بڑااثر پڑااور میں سارے مشاغل سے الگ ہوکر سات یا آٹھ سال تک ابن ہرمز کی خدمت میں آکران سے علم حاصل کرتا رہا،میں اپنی آستین میں کھجوریں رکھ لیتااورابن ہرمز کے بچوں کو کھجوریں دیکر کہتا کہ اگرتم سے کوئی شیخ کے بارے میں پوچھے تو کہہ دیا

---

(۱)''الدیباج المذہب''(ص ۲۰)۔

کروکہ شیخ بہت مشغول ہیں، اس طرح میں ان سے برابر استفادہ کرتا رہا۔

ایک دن ابن ہرمز نے اپنی باندی سے پوچھا! ذرا دیکھنا دروازہ پر کون ہے؟ اس نے آ کر دیکھا تو امام مالک کے علاوہ کوئی بھی نہ تھا، واپس جا کر کہا، وہی سفید فام مالک ہے، ابن ہرمز نے کہا بلاؤ وہ بڑے عالم ہیں، امام مالک ابن ہرمز کے دروازہ پر بیٹھنے کے لئے ایک روئی کے کپڑے سے بھرا ہوا گدا اپنے ساتھ رکھتے تھے، تا کہ پتھر کے فرش کی ٹھنڈ نہ محسوس ہو، ایک روایت میں ہے کہ صحن مسجد کی ٹھنڈ سے بچنے کے لئے گدا رکھا کرتے تھے، اس صحن میں ابن ہرمز کی مجلس علم آراستہ ہوتی تھی (۱)۔

ابن القاسم فرماتے ہیں: امام مالک کو طلب علم کا شوق اس قدر دامن گیر تھا کہ جب فقر کی انتہا ہونے لگی تو گھر کی چھت کی کڑیاں فروخت کر کے ضرورت پوری کی، بعد میں دنیا ان پر ٹوٹ پڑی۔

انس بن عیاض کہتے ہیں: میں ربیعہ کی مجلس درس میں حاضر ہوتا تھا، اس وقت مالک بھی ہمارے ساتھ ہوا کرتے تھے، لیکن اس وقت لوگ ان کو ان کے بھائی نضر کی وجہ سے پہچانتے تھے، امام طلب علم میں مشغول رہے اور اس درجہ نام اور شہرت حاصل کر لی کہ پھر نضر کا تعارف امام مالک کے ذریعہ کرایا جانے لگا۔

امام مالک نے طلب علم کی خاطر بڑی مشقتیں برداشت کی ہیں، سخت گرمی میں دوپہر کو حضرت نافع کے گھر جاتے جو مدینے کے باہر بقیع کے قریب

---

(۱) ''المدارک'' (۱۳۱/۱)۔

تھا، وہاں بیٹھ کر حضرت نافع کے نکلنے کا انتظار کرتے، پھران کے ساتھ مسجد آتے، جب حضرت نافع اطمینان سے بیٹھ جاتے تو یہ سوال کر کر کے حدیثیں حاصل کرتے اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے فتاوے معلوم کرتے۔

امام مالک خود فرماتے ہیں: میں عین دوپہر کو حضرت نافع کے پاس آتا تھا اور دھوپ میں کھڑے ہو کر ان کے باہر تشریف لانے کا انتظار کرتا رہتا، جب باہر تشریف لاتے تو تھوڑی دیر ان سے الگ ہو کر اس طرح کھڑا رہتا جیسے میں نے ان کو دیکھا ہی نہ ہو، پھر سامنے آ کر سلام کرتا اور پھر تھوڑی دیر کے لئے الگ ہو جاتا۔

(دراصل ان کے مزاج میں کچھ تیزی تھی)(۱)۔

امام فرماتے ہیں: میں ابن ہرمز کے یہاں صبح کو آتا تو رات ہی کو گھر سے نکلتا تھا، امام مالک ابن شہاب زہری کی حدیثیں زیادہ سے زیادہ حاصل کرنا چاہتے تھے، ایک روایت میں امام مالک فرماتے ہیں: جب عید کا دن آیا تو میں نے کہا کہ آج ابن شہاب زہری خالی ہونگے، میں عید گاہ سے ان کے گھر آ کر دروازے پر بیٹھ گیا، امام زہری نے اپنی باندی سے کہا: دیکھو دروازہ پر کون ہے؟ اس نے دیکھ کر کہا: وہی آپ کے سفید فام شاگرد مالک، انہوں نے کہا: بلا لاؤ، میں اندر گیا، انہوں نے کہا: شاید تم اب تک اپنے گھر نہیں گئے؟ میں نے اثبات میں جواب دیا، تو انہوں نے فرمایا: کچھ کھایا بھی ہے؟ میں نے نفی میں جواب دیا،

---

(۱) ''الدیباج المذہب'' (ص۱۲۱)۔

تو فرمایا: پھر تو کچھ کھا لو، میں نے کہا: خواہش نہیں ہے، پوچھا پھر کیا چاہتے ہو؟ میں نے کہا: حدیثیں بیان فرمادیں، کہا ٹھیک ہے، پھر میں نے اپنی تختیاں نکال لیں، انہوں نے چالیس حدیثیں بیان کیں، میں نے کہا: اور بیان فرمائیں، تو فرمایا اگر تم نے یہ حدیثیں یاد کرلیں تو پھر تم حفاظ حدیث میں مانے جاؤ گے، میں نے کہا: وہ سب یاد ہو گئیں، انہوں نے فوراً میرے ہاتھوں سے تختیاں لے لیں اور کہا: اچھا سناؤ، میں نے فرفر ساری حدیثیں سنادیں، انہوں نے تختیاں لوٹاتے ہوئے کہا: اچھا اب جاؤ، تم تو علم کا خزانہ ہو۔

امام مالک کو ابن شہاب زہری کی حدیثوں کو یاد کرنے کا کس قدر شوق تھا اس کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ امام مالک کے پاس ایک دھاگا رہا کرتا تھا اور جب ابن شہاب زہری کوئی حدیث رسول بیان کرتے تو اس کو یاد کرنے کے بعد دھاگے میں ایک گرہ ڈال دیتے تا کہ گرہ کو دیکھ کر یاد کی ہوئی حدیثوں کی تعداد معلوم ہو سکے۔

''مدارک'' میں امام مالک کا ذکر کردہ یہ واقعہ مذکور ہے کہ ابن شہاب جب تشریف لاتے تو تیس حدیثیں بیان کرتے، ایک دن انہوں نے تیس حدیثیں بیان کیں، میں نے سب حدیثیں یاد کرلیں، ایک حدیث حافظہ سے نکل گئی، میں دوبارہ ملا اور ان سے اس حدیث کے بارے میں دریافت کیا، تو پوچھا: کیا تم درس میں نہیں تھے؟ میں نے کہا: درس میں موجود تھا، اس پر فرمایا: یاد کیوں نہیں رکھا؟ میں نے کہا: تیس میں سے ایک حدیث ذہن سے نکل گئی، اس پر بہت

افسوس کرتے ہوئے کہا: لوگوں کا حافظہ ختم ہوگیا، میں نے تو جو چیز اپنے دماغ میں رکھ لی وہ پھر کبھی نہ نکلی، پھر انہوں نے وہ حدیث بیان کی اور میں واپس آ گیا(۱)۔

حافظہ کی وسعت:

امام مالک فرماتے تھے: اب تو لوگوں کا حافظہ بہت متأثر ہوگیا، میرا حال یہ تھا کہ میں سعید بن مسیّب، عروہ، قاسم وابوسلمہ، حمید، سالم (اور بھی کئی افراد کے نام لئے) وغیرہ کے پاس جاتا اور ان میں سے ہر ایک سے پچاس سے سو تک حدیثیں سنتا، پھر ان سب کو یاد کر کے واپس آتا تو ہر ایک کی بیان کردہ حدیثوں کو علیحدہ علیحدہ بیان کرسکتا تھا۔

امام مالک ایک جگہ فرماتے ہیں کہ امام زہری مدینہ تشریف لائے، ہم لوگ حضرت ربیعہ کے ساتھ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے، اس دن امام زہری نے چالیس سے زیادہ حدیثوں کا املا کیا، دوسرے دن پھر مجلس درس منعقد ہوئی، میں بھی اپنے استاذ حضرت ربیعہ کے ساتھ حاضر ہوا، امام زہری نے کہا: کتاب لاؤ، میں اس سے بیان کروں گا، اور کل میں نے جو حدیثیں بیان کی ہیں وہ یاد ہیں؟ حضرت ربیعہ نے کہا: اس مجلس میں ایک شخص ہے جو کل کی تمام حدیثیں زبانی سنادے گا، امام زہری نے پوچھا، وہ کون ہے؟ حضرت ربیعہ نے کہا: ابن ابی عامر، امام زہری نے میری طرف اشارہ کر کے کہا سناؤ، میں نے چالیس حدیثیں سنادیں، امام زہری نے تعجب کرتے ہوئے فرمایا: میرا خیال تھا کہ میرے علاوہ کسی کو یاد نہیں ہیں۔

---

(۱) ''المدارک'' (۱/۱۳۵)۔

یحییٰ بن سعید کہتے ہیں: امام مالک حافظ تھے، یحیٰ بن معین کہتے ہیں: میں نے امام مالک اور سفیان سے زیادہ اپنی حدیثیں یاد رکھنے والا کسی کو نہیں دیکھا۔

سفیان ثوری کہتے ہیں: مالک اپنے زمانہ کے سب سے بڑے حافظ حدیث ہیں، وہ حدیث میں کبھی غلطی نہیں کرتے، مزید فرمایا: روئے زمین پر مالک سے بڑھ کر حدیث نبوی کا کوئی امانت دار نہیں، ایک جگہ فرمایا: صحت حدیث میں میں مالک پر کسی کو ترجیح نہیں دیتا(۱)۔

ابوقدامہ کہتے ہیں: مالک اپنے زمانہ کے سب سے بڑے حافظ حدیث ہیں، یحییٰ بن سعید کہتے ہیں: لوگوں میں مالک سے بڑھ کر صحیح حدیثیں بیان کرنے والا کوئی نہیں۔

امام مالک کے اساتذہ وشیوخ حدیث:

زرقانی کہتے ہیں: امام مالک کے شیوخ کی تعداد نو سو سے زیادہ ہے، غافقی کہتے ہیں: امام مالک نے جن شیوخ کے نام ذکر کئے ہیں ان کی تعداد ۹۵ ہے، حضرات صحابہ میں ۸۵ اور صحابیات میں ۲۳ ہیں تابعین میں ۴۸ ہیں اور ۶ کے علاوہ سب کے سب مدینہ کے باشندے ہیں، غیر مدنی چھ اساتذہ یہ ہیں:۔
ابوالزبیر مکی، حمید الطّویل بصری، ایوب بصری، عطا خراسانی، عبدالکریم جزری، ابراہیم ابن ابی عبلہ شامی۔

---

(۱) ''المدارک'' (۱/۱۵۵)۔

مشہور اساتذہ وشیوخ:

(۱) امام مالک کے پہلے شیخ مدینہ کے بڑے عالم اور فقیہ ربیعہ ابن ابی عبدالرحمٰن فروخ ہیں جو اجتہاد و استنباط میں اس قدر ممتاز تھے کہ ان کا لقب ہی ''ربیعۃ الرأی'' پڑ گیا، انہوں نے حضرت انس بن مالک، عبداللہ بن دینار اور مکحول وغیرہ سے روایت کی ہے، اور ان سے روایت کرنے والوں میں حضرت امام مالک اور لیث کے علاوہ ایک کثیر تعداد ہے۔

حضرت ربیعہ ثقہ، ثبت اور مدینہ کے مفتیوں میں سے ایک تھے، صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت سے کسب فیض کیا تھا، مدینہ میں ان کا اپنا ایک حلقۂ افتاء تھا، ان کی مجلس درس میں سربرآوردہ حضرات کی ایک بڑی تعداد اور چالیس چالیس علماء و فضلاء شریک ہوا کرتے تھے۔

خطیب کہتے ہیں: وہ فقیہ اور حدیث و فقہ کے عالم تھے، امام مالک کہا کرتے تھے: جب سے حضرت ربیعہ کا انتقال ہوا، فقہ و حدیث کا مزہ جاتا رہا، حضرت ربیعہ نے ۱۳۶ھ میں مدینہ منورہ میں انتقال فرمایا، ایک روایت میں ہے کہ آپ کا انتقال ''انبار'' میں ہوا(۱)۔

''موطأ'' میں ان سے بارہ حدیثیں مروی ہیں جن میں پانچ مسند حدیثیں اور ایک مرسل حدیث ہے اور بلاغات کی تعداد چھ ہے(۲)۔

---

(۱) ''طبقات الحفاظ'' (ص ۶۹)

(۲) ''التجرید'' (ص ۴۹)

امام مالک کی زندگی پر حضرت ربیعہ کی شخصیت کا بہت گہرا اثر پڑا، یہی وجہ ہے کہ امام مالک کا ذوق ومزاج اور ان کا طرز زندگی بہت حد تک حضرت ربیعہ کے ذوق ومزاج سے ہم آہنگ اور ہم رنگ نظر آتا ہے۔

امام مالک باریک اور نفیس پوشاک زیب تن فرماتے تھے، اور کہتے تھے کہ میں نے حضرت ربیعہ کے علاوہ کسی کو ایسی نفیس پوشاک پہنتے نہیں دیکھا، اکثر حضرات موٹا جھوٹا پہنا کرتے صرف حضرت ربیعہ میرے جیسے کپڑے زیب تن فرماتے تھے(۱)۔

(۲) امام مالک کے دوسرے شیخ ابن ہرمز اُصم ہیں جن کا پورا نام ابوبکر عبداللہ بن یزید ہے، ۱۴۸ھ میں انتقال فرمایا، ابن ہرمز مدینہ کے مشہور ومعروف فقہائے سبعہ کے بعد والے طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں، یا یوں کہئے کہ فقہائے اسلام کے اس اعتبار سے چوتھے طبقہ میں ہیں کہ صحابہ کرام کے دو طبقے ہیں، پھر تابعین میں فقہائے سبعہ کا طبقہ ہے اور پھر چوتھے طبقہ میں حضرت ربیعۃ الرائے، ابن شہاب زہری، عمر بن عبدالعزیز، ابوالزناد اور ابن ہرمز اُصم وغیرہ آتے ہیں۔

حضرت ربیعہ فرماتے ہیں: ابن ہرمز اصم سے بڑھ کر تمہاری علمی گتھیوں کو سلجھانے والا عالم میں نے نہیں دیکھا(۲)۔

---

(۱) ''الدیباج المذہب'' (ص ۱۹)

(۲) ''طبقات الشیرازی'' (ص ۳۷)

لوگوں نے صراحت کے ساتھ لکھا ہے کہ امام مالک نے ابن ہرمز (۱) سے فقہ حاصل کی، کہتے ہیں کہ جب امام مالک یہ فرماتے ہیں: ''على هذا أدركنا أهل العلم ببلدنا والأمر عندنا'' (ہم نے اپنے شہر میں اہل علم کو اس پر پایایا ہمارے اصحاب کا یہی عمل یا قول ہے) تو اس جملے سے ان کا مطلب ربیعہ اور ابن ہرمز کی ذات گرامی اور ان کا مسلک بیان کرنا ہوتا ہے (۲)۔

امام مالک فرماتے ہیں: میں ابن ہرمز کے پاس صبح کو آتا تو رات میں ان کے گھر سے لوٹتا، اسی طرح سات یا آٹھ سال تک امام مالک ابن ہرمز کے پاس آکر استفادہ کرتے رہے۔

امام طبری کہتے ہیں کہ محمد بن زبالہ نے فرمایا کہ میں نے مالک بن انس کو کہتے ہوئے سنا ہے کہ میں ابن ہرمز کے پاس آتا تو وہ اپنی باندی کو حکم دیتے، وہ دروازہ بند کردیتیں اور پردہ ڈال دیتیں پھر ابن ہرمز اس امت کے سلف کے واقعات سناتے اور اس قدر روتے کہ ان کی داڑھی تر ہوجاتی۔

---

(۱) ''ابن ہرمز'' کی کنیت سے دو جلیل القدر عالم مشہور ہیں، ایک عبدالرحمٰن بن ہرمز ہیں جن کا لقب ''أعرج'' اور کنیت ''ابوداود'' ہے، یہ قاری، محدث اور تابعی تھے، حضرت ابوہریرہ اور دیگر صحابہ سے آپ نے روایت کی ہے، آپ نے ۱۱۷ھ میں انتقال فرمایا، دوسرے ابوبکر عبداللہ بن یزید ہیں جن کا یہاں تذکرہ ہے، ان دونوں ابن ہرمز میں امام مالک کے استاذ کون ہیں؟ شیخ محمد ابوزہرہ کی رائے ہے کہ امام مالک کے شیخ، اول الذکر عبدالرحمٰن ہیں۔ (حیاۃ مالک ص ۱۱۱)، علامہ سید سلیمان ندوی نے بھی ''حیات مالک'' میں یہی رائے ظاہر فرمائی ہے۔

(۲) ''ترتیب المدارک'' (۱/۱۳۷)

اس واقعہ سے امام مالک اوران کے شیخ ابن ہرمز کے تعلق کی گہرائی کا پتہ چلتا ہے کہ ابن ہرمزامام مالک سے ایسی راز دارانہ باتیں کرتے جو کسی اور سے بیان نہیں کرتے تھے

(۳) تیسرے شیخ حضرت عبداللہ بن عمر کے مولیٰ حضرت نافع ابوعبداللہ عدوی مدنی ہیں جو اَعلام تابعین میں سے ہیں، کہا جاتا ہے کہ ان کا وطن اصلی بلادمغرب تھا، ایک قول کے مطابق عراق کے شمال میں دیلم ان کا وطن اصلی ہے، مسلمانوں اور ایرانیوں کے درمیان ہونے والی جنگ میں گرفتار ہوکر مدینہ لائے گئے اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے حصے میں آئے، حضرت نافع نے تقریباً تیس سال تک حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی خدمت کی، اس درمیان انہوں نے قرآن وحدیث کا علم حاصل کیا۔

حضرت نافع نے عبد اللہ بن عمر، حضرت ابوہریرہ، حضرت عائشہ، حضرت ام سلمہ وغیرہم سے روایت کی ہے، اوران سے تابعین میں سے ابواسحاق سبیعی، حکم ابن عیینہ، موسیٰ بن عقبہ، ابن عون اور اعمش وغیرہم نے روایت کی ہے، امام مالک، لیث، ابن ابی لیلی اور دیگر بہت سارے حضرات ان کے تلامذہ میں ہیں۔

حضرت نافع کثیر الروایۃ، ثقہ، ضابط اور صحیح الروایۃ محدث ہیں، ان کی تمام مرویات خطاٗ اور غلطی سے پاک ہیں۔

عبداللہ بن عمر فرماتے تھے: اللہ نے نافع کو عطا کر کے ہمارے اوپر بڑا

احسان کیا، مالک بن انس فرماتے ہیں: میں جب نافع سے حضرت عبداللہ بن عمر کی کوئی حدیث سن لیتا تو مجھے پرواہ نہ ہوتی کہ میں وہ حدیث کسی اور سے سنوں (۱)، حضرت نافع علم کے اس بلند مقام پر فائز تھے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ان کو معلم بنا کر مصر بھیجا تھا، حضرت نافع کی وفات مدینہ میں راجح قول کے مطابق ۱۱۷ھ میں ہوئی۔

امام بخاری فرماتے ہیں: سب سے زیادہ صحیح سند "مالک عن نافع (۲) عن ابن عمرؓ ہے" محدثین اس "سلسلہ" کو سلسلۃ الذھب "سلسلہ زریں" کہتے ہیں، اس لئے کہ اس سند کا ہر راوی جلیل القدر عالم ہے، امام مالک نے "موطأ" میں حضرت نافع سے اسی (۸۰) سے زیادہ حدیثیں روایت کی ہیں (۳)۔

(۴) چوتھے شیخ ابوبکر المدنی محمد بن شہاب زہری ہیں جو قریش کے مشہور قبیلہ زہرہ بن کلاب سے تعلق رکھتے ہیں، ان کی سن وفات ۱۲۴ھ یا ۱۲۳ھ یا ۱۲۵ھ ہے، وہ نہ صرف جلیل القدر محدث بلکہ تدوین حدیث کے امام اولین ہیں، آپ کا لقب "اعلم الحفاظ" ہے، اپنے زمانہ میں فن حدیث کے امام تھے، مصر کے فقیہ لیث ابن سعد کہتے ہیں کہ میں نے ان سے بڑا عالم نہیں دیکھا، آپ کا شمار صغار تابعین میں ہے اس لئے کہ آپ نے بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دیدار سے اپنی

---

(۱) "تذکرۃ الحفاظ" (۹۴/۱)، "حسن المحاضرۃ" (۱۶۲/۱)۔

(۲) ان کے حالات زندگی کے لئے دیکھئے: "تاریخ اسلام" (۱۰/۵)، "تہذیب التہذیب" (۴۱۲/۱۰)، "الجمع بین رجال الصحیحین" (۵۲۸/۲)، "تذکرۃ الحفاظ" (۹۴/۱۰)، "خلاصۃ الخزرجی" (ص ۴۵۵)۔

(۳) "التجرید" (ص ۱۷)۔

آنکھیں روشن کی ہیں، لیکن حدیثیں زیادہ تر تابعین سے حاصل کی ہیں، آپ بعض تابعین کے معاصر تھے، لیکن سب میں فائق اور بلند تھے۔

عمرو بن دینار (جو جلیل القدر تابعی ہیں) کہا کرتے تھے کہ زہری میرے آگے کیا ہے؟ میں تو حضرت عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ جیسے لوگوں سے ملا ہوں، اور وہ ایسے لوگوں کے دیدار سے بھی محروم رہے، لیکن ایک دفعہ امام زہری مکہ تشریف لائے، (عمرو بن دینار اس وقت چلنے پھرنے سے معذور ہو گئے تھے) اپنے ساتھیوں سے کہا: ذرا مجھے ان کے پاس لے کر چلو، خادموں نے پہونچا دیا، زہری سے ملاقات ہوئی تو پھر ایک رات گزارنے کے بعد ہی اپنے ساتھیوں کے پاس آئے، لوگوں نے پوچھا کہ زہری کو کیسا پایا؟ فرمایا: خدا کی قسم! اس قریشی (زہری) کی طرح میں نے کسی کو نہیں دیکھا(۱)۔

خلفائے بنو امیہ کی نگاہ میں آپ کی بڑی قدر و منزلت تھی، یزید بن عبدالملک نے آپ کی خدمت میں قضا کا عہدہ پیش کیا تھا، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ بھی آپ کو انتہائی عزت واحترام اور قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے، عالم اسلام کے ہر چہار جانب خطوط لکھ کر لوگوں کو متوجہ کیا تھا کہ ابن شہاب زہری سے استفادہ کیا کرو، اس لئے کہ گذشتہ سنت کا ان سے بڑھ کر کوئی عالم نہیں ہے، امام مالک فرماتے ہیں کہ ابن شہاب زہری نے ہی سب سے پہلے حضرت عمر بن عبد العزیز کے ایماء وحکم پر رسول اللہ ﷺ کی حدیثیں مدون کی ہیں۔

---

(۱) دیکھئے: ''وفیات الأعیان'' (۴/۱۷۷)۔

ابن شہاب زہری علم حدیث کے ساتھ ساتھ فقہ میں بھی دستگاہ کامل رکھتے تھے، انہوں نے تابعین کے فقہائے سبعہ سے فقہ حاصل کی تھی، امام مالک نے خود اس کا ذکر فرمایا ہے، انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ ابن شہاب زہری علم کا سمندر ہیں، مزید فرمایا: کہ لوگوں میں ان کی نظیر نہیں ہے، ابن القیم نے ''اِعلام الموقعین'' میں لکھا ہے کہ محمد بن نوح نے ابن شہاب زہری کے فتاوے کو فقہی ابواب کی ترتیب سے تین بڑی ضخیم جلدوں میں جمع کیا ہے، ابن شہاب زہری کی وفات ۱۲۴ھ یا ۱۲۵ھ میں ہوئی۔

امام مالک نے ابن شہاب زہری سے علم حدیث اس طرح حاصل کیا کہ ان کے سب سے بڑے راوی ہوئے، ایسی حدیثیں کثرت سے ہیں جو ابن شہاب زہری کے واسطہ سے ہیں، پہلے ذکر کیا جاچکا ہے کہ امام مالک کی ابن شہاب زہری سے سب سے پہلی ملاقات اپنے استاذ حضرت ربیعہ کے ساتھ ہوئی تھی، اور ابن شہاب زہری نے امام مالک کے حافظہ کا امتحان بھی لیا تھا، اور حضرت ربیعہ نے بھی بڑے فخر کے ساتھ اپنے شاگرد کو پیش کیا تھا، ابن شہاب امام مالک کے حافظہ سے اس قدر خوش اور متأثر ہوئے تھے کہ ان کو علم کا خزانہ کہا تھا۔

(۵) پانچویں شیخ حضرت جعفر صادق بن محمد بن علی بن الحسین بن علیؓ بن ابی طالب مدنی ہیں، آپ کا سن وفات ۱۴۸ھ ہے، آپ سادات اہل بیت میں سے ہیں، تبع تابعین کے بڑے عابدوں اور علمائے مدینہ میں آپ کا شمار ہے۔(۱)

---

(۱) ''إسعاف المبطأ'' (ص۱۸۶)۔

امام مالک نے حضرت جعفر صادق سے روایتیں لی ہیں، ''موطأ'' میں ان سے روایت کردہ نو حدیثیں ہیں، جن میں پانچ حدیثیں متصل سند کے ساتھ ہیں، سب کی اصل ایک ہی حدیث ہے، بقیہ چار منقطع ہیں(۱)۔

(۶) چھٹے شیخ محمد بن المنکدر ہیں جو مدینہ کے بڑے فقیہ اور محدث ہیں، آپ صدق وصفا کے اعلی معیار پر تھے، آپ کو ''سید القُرّاء'' ہونے کا شرف حاصل تھا، ان تمام خوبیوں کے ساتھ اعلی درجہ کے زاہدوں اور عابدوں میں آپ کا شمار ہوتا ہے، آپ کی وفات ۱۳۵ھ یا ۱۳۱ھ میں ہوئی (۲)، امام مالک نے ابن المنکدر سے بھی علم حاصل کیا، ''موطأ'' میں ان کی کئی روایتیں ہیں، امام مالک فرمایا کرتے تھے: میں جب اپنے دل میں ذرا بھی سختی محسوس کرتا تو ابن المنکدر کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کو ایک نظر دیکھ لیتا پھر کئی دن تک میں خود اپنی نگاہوں میں حقیر لگتا۔ (۳)

امام مالک نے ان مشہور اساتذہ وشیوخ کے علاوہ بہت سے ایسے حضرات سے بھی ملاقات کر کے حدیث کا علم حاصل کیا ہے جو حج کے موقعہ پر حجاز مقدس آتے، البتہ امام مالک کے تذکرہ میں یہ کہیں نہیں ملتا کہ انہوں نے طلب علم کے لئے سفر کیا ہو، حالانکہ اس زمانہ میں طلب علم کے لئے سفر کرنا ایک طرح کا معیارِ کمال اور ایک عالم کی شان خصوصاً ایک محدث کے لئے باعث فخر سرمایہ سمجھا جاتا تھا، اس کی وجہ شاید یہ ہو کہ امام مالک بھی دیگر حضرات کی طرح سمجھتے تھے کہ علم تو اصلاً مدینہ کا ہے۔

---

(۱) ''التجرید'' (ص۲۴)۔ (۲) ''الطبقات الکبریٰ'' للشعرانی (۳۲/۱)۔ (۳) ''شذرات الذہب'' (۱۷۸/۱)۔

امام مالک کے تلامذہ:

حافظ ذہبی کہتے ہیں(۱) کہ امام مالک سے روایت کرنے والوں کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ ان کا شمار تقریباً ناممکن ہے، زرقانی کہتے ہیں (۲) کہ امام مالک سے روایت کرنے والوں کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ کسی دوسرے امام سے روایت کرنے والے اتنی تعداد میں نہیں پائے جاتے، خطیب نے ایک کتاب صرف امام مالک سے روایت کرنے والے تلامذہ کے تذکرہ میں لکھی ہے، جس میں سات کم ایک ہزار شاگردوں کا تذکرہ ہے، قاضی عیاض کہتے ہیں کہ انہوں نے بھی امام مالک کے تلامذہ کے تذکرہ میں ایک کتاب تصنیف کی جس میں تیرہ سو تلامذہ کا تذکرہ ہے۔

''مدارک'' میں ایک ہزار سے زیادہ کا تذکرہ کرکے یہ لکھا ہے کہ ہم نے صرف مشہور تلامذہ کا حال بیان کیا ہے، ان کے علاوہ امام مالک سے روایت کرنے والے اور بہت سے تلامذہ ہیں جن کو ہم نے قلم انداز کردیا ہے، امام مالک کو یہ بھی خصوصیت حاصل ہے کہ خود ان کے شیوخ اور اساتذہ نے بھی ان سے حدیث کی روایت ہے، جن میں قابل ذکر زہری، أبوالأسود، ایوب سختیانی، ربیعہ، یحییٰ بن سعید انصاری، موسیٰ بن عقبہ، ہشام بن عروہ، نافع القاری، محمد بن عجلان، ابوالنضر سالم، محمد بن أبی ذئب، ابن جریج اور اعمش ہیں۔

---

(۱) ''تذکرۃ الحفاظ'' (۱/۲۰۷)

(۲) ''مقدمۃ شرح زرقانی'' (۱/۵)

امام دارقطنی کہتے ہیں: متقدمین اور متاخرین میں کوئی بھی میرے علم میں ایسا نہیں ہے جو امام مالک کی خصوصیات کا جامع ہو، امام مالک کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ ان سے دو آدمیوں نے ایک ہی حدیث روایت کی ہے اور دونوں کی وفات کے درمیان ایک سو تیس سال کا فاصلہ ہے، یعنی حضرت زہری (جو خود امام مالک کے شیخ بھی ہیں) اور ابوحذافہ سہمی، دونوں نے امام مالک سے معتدہ کے سکنیٰ کے سلسلہ میں فریعہ بنت مالک والی حدیث روایت کی ہے، ان کی وفات کے درمیان ایک سو تیس سال کا فاصلہ ہے، کیونکہ حضرت زہری کی سن وفات ۱۲۵ھ ہے جب کہ ابوحذافہ سہمی کی وفات ۲۵۰ھ کے بعد ہوئی ہے۔(۱)

علامہ سیوطی کہتے ہیں کہ ابو حاتم نے فرمایا کہ امام مالک کے تلامذہ میں سب سے زیادہ ثبت اور ثقہ معن بن عیسیٰ ہیں، بعض فضلائے حدیث کہتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں عبدالرحمن بن مہدی کی روایت کو زیادہ پسند فرمایا ہے، جبکہ بخاری نے عبداللہ بن یوسف تنّیسی کی روایت کو، مسلم نے یحیٰ بن یحیٰ تمیمی نیساپوری کی روایت کو، ابوداود نے قعنبی کی روایت کو اور نسائی نے قتیبہ بن سعید کی روایت کو زیادہ پسند کیا ہے، امام شافعی امام مالک کے تلامذہ میں ہیں، امام ابوحنیفہ کے شاگرد خاص اور ان کے مسلک کو مرتب کرنے والے امام محمد ابن حسن نے کئی سال امام مالک کی خدمت میں زانوئے تلمذ تہہ کیا ہے، امام احمد بن حنبل بھی امام شافعی کے واسطے سے امام مالک کی شاگردی میں داخل ہیں۔

ناچیز عرض کرتا ہے کہ امام مالک سے ''موطأ'' کی روایت کرنے والوں میں محدثین عظام کی ایک بڑی تعداد ہے، جس کا تذکرہ آگے تفصیل سے آرہا ہے۔

---

(۱) دیکھئے: ''الدیباج المذہب'' (ص۲۲)

ائمہ کا اعتراف وستائش:

امام شافعی کہتے ہیں کہ ''مالک تابعین کے بعد اللہ کی مخلوق پر ایک حجت ہیں''، یحیٰ بن سعید اور یحیٰ بن معین فرماتے ہیں ''مالک اقلیم حدیث کے بادشاہ اور اس فن میں امیر المؤمنین ہیں''، ابن معین کہتے ہیں ''مالک خدا کی طرف سے خلق پر ایک حجت تھے، اور مسلمانوں کے متفقہ امام تھے''، امام شافعی کہتے ہیں کہ ''حدیث کا ذکر آئے تو امام مالک ستارہ ہیں اور علماء کا تذکرہ ہو تو امام مالک روشن ستارہ ہیں، امام مالک کو ایسا حافظہ اور اتقان حاصل تھا کہ کوئی بھی اس درجہ کو نہ پا سکا، امام مالک سے بڑھ کر علم کا کوئی امانت دار نہیں، میں نے امام مالک کو اپنے اور اللہ کے درمیان حجت بنا لیا ہے، امام مالک اور سفیان بن عیینہ نہ ہوتے تو حجاز کا علم ناپید ہو جاتا''۔

علم حدیث کا دارومدار تین حضرات پر ہے، مالک، ابن عیینہ اور لیث، ابن وہب کہتے ہیں کہ اگر مالک اور لیث نہ ہوتے تو ہم گمراہی میں پڑے ہوتے، اوزاعی جب امام مالک کا تذکرہ کرتے تو ''عالم العلماء'' ''عالم اہل المدینہ'' اور ''مفتی الحرمین'' کے نام سے یاد کرتے اور فرماتے کہ مالک تو امام ہیں، اہل حجاز کے عالم اور اپنے زمانہ میں خدا کی طرف سے حجت ہیں، مالک اس امت کے چراغ ہیں، ہم لوگ تو امام مالک کے نقش قدم کی پیروی کرتے ہیں، امام احمد بن حنبل نے امام مالک کا علمی درجہ ثوری، لیث، حکم، حماد اور اوزاعی وغیرہ سے بڑا بتایا ہے، اور فرمایا کرتے کہ مالک حدیث اور فقہ دونوں کے امام ہیں، ان سے کسی

نے پوچھا کہ آپ کس کی حدیث لکھنا اور کس کی رائے اختیار کرنا پسند فرماتے ہیں تو انہوں نے جواب دیا: امام مالک کی حدیث اور امام مالک کی رائے۔

ابن مہدی کا قول ہے کہ سفیان ثوری حدیث میں امام ہیں سنت میں امام نہیں اور اوزاعی سنت میں امام ہیں حدیث میں نہیں، اور مالک حدیث اور سنت دونوں میں امام ہیں۔

ابن صلاح سے مذکورہ قول کا مطلب پوچھا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ ابن مہدی کے جملہ میں سنت کا لفظ بدعت کی ضد کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے، کیونکہ انسان کبھی حدیث کا عالم تو ہوتا ہے لیکن سنت پر عمل پیرا نہیں ہوتا۔

میں کہتا ہوں کہ حضرت شیخ علامہ محدث امام ولی اللہ دہلوی نے ابن مہدی کے جملہ کا ایسا لطیف مطلب بتایا ہے جو ابن صلاح کے جواب اور تشریح سے زیادہ بہتر اور واضح ہے، حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی فرماتے ہیں کہ استنباط مسائل کے سلسلہ میں متقدمین کے دو طریقے تھے، ایک طریقہ تو یہ تھا کہ وہ قرآنی آیات اور احادیث وروایات کو دیکھتے اور اس سے مسئلہ مستنبط فرما لیتے، یہ محدثین کا طریقہ تھا، دوسرا طریقہ یہ تھا کہ ائمہ کے کلام سے قواعد کلیہ اور اصول کی تنقیح فرماتے اور اس سے مسائل مستنبط فرماتے، اور یہ فقہاء کا طریقہ تھا، عبدالرحمٰن بن مہدی کے جملہ کا مطلب یہ ہے کہ ثوری صحیح سند کے ساتھ الفاظ حدیث اور آثار صحابہ کو نقل کرنے میں امام ہیں، اوزاعی اصول وقواعد کو سمجھنے میں امام ہیں، مالک دونوں میں امام ہیں، خود ''موطاً'' کے مختلف ابواب میں امام مالک کا یہ جملہ بہت

کثرت سے ملتا ہے "السنة التي لا اختلا ف فيها عندنا كذا كذا" ''ہمارے نزدیک متفق علیہ مسئلہ یہ ہے''۔

ایوب بن سعید کہتے ہیں: مالک دارہجرت مدینہ کے شیخ اور سنت کے امام ہیں، ثقہ اور امین ہیں، امام احمد بن حنبل فرماتے تھے کہ امام مالک سے بغض رکھنے والا مبتدع ہے، ایک شخص نے امام شافعی سے پوچھا کہ کیا آپ نے اپنی زندگی میں امام مالک جیسا کسی کو دیکھا ہے؟ انہوں نے فرمایا: میں کیا، علم اور عمر کے لحاظ سے جو حضرات ہم سے بڑے ہیں میں نے ان کو بھی یہ کہتے ہوئے سنا کہ ہم نے مالک جیسا کسی کو نہیں دیکھا۔

امام مالک کی شان میں ایک قصیدہ:

ابوعبداللہ حمیدی اندلسی کہتے ہیں کہ ابوطاہر ابراہیم نے مجھے یہ قصیدہ سنایا:

إذا قيل: من نجم الحديث و أهله؟	أشار أولوالألباب يعنون مالكا
جب کوئی پوچھے کہ حدیث اور اصحاب حدیث کا ستارہ کون ہے؟	تو عقل مند بیک زبان ہوکر امام مالک کا نام بتائیں گے۔
إليه تناهى علم دين محمد	فوطأ فيه للرواة المسالكا
دین محمدی کا علم ان پر آکر ختم ہوتا ہے۔	انہوں نے حدیث روایت کرنے والوں کے لئے راہیں نکالیں۔
ونظم بالتصنيف أشتات نشره	وأوضح ماقد كان لولاه حالكا

انہوں نے اپنی تصنیف ''موطأ'' میں منتشر احادیث کو یکجا کر دیا — اور ایسی چیزیں واضح کردیں جو امام واضح نہ کرتے تو پردۂ خفا میں رہتیں

وأحيا دروس العلم شرقا و مغربا — تقدم في تلك المسالك سالكا

مشرق ومغرب میں علم کے حلقہائے درس کو زندگی بخشی — اور وہی اس راہ کے سب سے پہلے راہی ہیں۔

وقد جاء في الآثار من ذاك شاهد — على أنه في العلم خص بذالك

تاریخ کے صفحات بتاتے ہیں کہ امام مالک — علم کے ایک خاص بلند درجہ پر فائز تھے

فمن كان ذا طعن على علم مالك — ولم يقتبس من نوره كان هالكا

جو بھی امام مالک کے علم پر زبان طعن کھولے — اور آپ کے نور علم سے کسب فیض نہ کرے اس کی ہلاکت میں کیا شبہ ہے

"عالم المدينة" کی حدیث کا مصداق کون؟

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''قریب ہے کہ لوگ طلب علم کی خاطر سفر کریں گے تو مدینہ کے عالم سے بڑا عالم نہ پائیں گے''، مالک، ترمذی، نسائی اور حاکم نے اس حدیث کی روایت کی ہے، (۱) حضرت ابوہریرہؓ سے مرفوعاً صحیح سند کے ساتھ یہ حدیث مروی ہے، سفیان بن عیینہ کہتے ہیں کہ: ہماری رائے میں ''مدینہ کے عالم'' سے مراد امام مالک ہیں، ایک روایت ہے کہ'' لوگ''اس

(۱) اس حدیث کو امام احمد نے بیان کیا ہے (۲/۲۹۹)، امام ترمذی نے کتاب العلم میں اس حدیث کی روایت کی ہے، (ح ۲۶۸۰) اور حاکم نے بھی روایت کی ہے (۱/۹۱)۔

حدیث کا مصداق امام مالک کو سمجھتے ہیں، ابن مہدی کے بقول سفیان بن عیینہ کی مراد ''لوگ'' سے تابعین ہیں، لیکن یہ اپنی جگہ مسلم حقیقت ہے کہ جب ''عالم المدینہ'' یا ''امام دارالھجر ۃ'' کا لفظ مطلقاً استعمال کیا جاتا ہے تو اس سے مراد امام مالک ہی ہوتے ہیں، بعض شارحین حدیث بڑے اہتمام سے بیان کرتے ہیں کہ مشرق و مغرب کے شائقین علم نے کسی عالم کے لئے دور دراز اور مختلف علاقوں سے طلب علم کے لئے رخت سفر نہیں باندھا جس قدر لوگوں نے امام مالک سے کسب فیض اور تحصیل علم کے لئے سفر کیا۔

امام مالک کے بارے میں چند بشارتیں:

ابونعیم مثنیٰ بن سعید کا یہ قول نقل کرتے ہیں (۱) کہ میں نے امام مالک کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں نے کوئی رات ایسی نہیں گزاری جس میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت نصیب نہ ہوئی ہو۔

ابن عبدالبر وغیرہ نے مصعب زبیری سے اورانہوں نے اپنے والد سے سنا، وہ فرماتے تھے کہ میں مالک کے ساتھ ایک مرتبہ مسجد نبوی میں بیٹھا تھا، ایک شخص آیا اور پوچھنے لگا: تم میں ابوعبداللہ مالک کون ہیں؟ لوگوں نے امام مالک کی طرف اشارہ کیا، وہ شخص امام مالک کے پاس آیا، سلام اور معانقہ کیا، پیشانی کا بوسہ لیا اور سینے سے چمٹا کر کہنے لگا: میں نے رات خواب میں دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ اس مقام پر تشریف فرما ہیں اور ارشاد فرمارہے ہیں کہ مالک کو بلاؤ، آپ کو بلایا گیا، اس وقت آپ کے بدن پر لرزہ طاری تھا، رسول اللہ ﷺ نے آپ کی

---

(۱) ''حلیۃ الأولیاء'' (۶/۳۱۶)

کنیت سے آپ کو خطاب کر کے فرمایا کہ اے ابوعبداللہ! گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے بیٹھ جاؤ، پھر آپ بیٹھ گئے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اپنا دامن پھیلاؤ، آپ نے دامن پھیلایا تو اس میں رسول اللہ ﷺ نے مشک بھر دیا اور فرمایا: یہ لے لو اور میری امت میں بانٹ دو۔

یہ خواب سنتے ہی حضرت امام مالک پر گریہ طاری ہو گیا اور بہت دیر تک روتے رہے، پھر کہنے لگے: خواب سے خوشی تو ہوئی ہے لیکن آدمی کو دھوکہ نہیں کھانا چاہئے اور اگر تمہارا خواب سچا ہے تو اس کا مطلب وہ علم حدیث ہے جو اللہ نے مجھے عطا فرمایا ہے۔(۱)

خلف کہتے ہیں: میں امام مالک کے پاس گیا تو انہوں نے مجھ سے فرمایا: ذرا میرے مصلیٰ یا چٹائی کے نیچے دیکھنا، میں نے دیکھا تو ایک مکتوب تھا، امام مالک نے فرمایا پڑھو، میں نے پڑھا تو اس میں ایک خواب کا تذکرہ تھا جو امام مالک کے ایک دوست نے دیکھا تھا کہ میں نے خواب میں نبی کریم ﷺ کی زیارت کی کہ آپ مسجد نبوی میں تشریف فرما ہیں، لوگوں کا ہجوم ہے، رسول اللہ ﷺ لوگوں سے فرمارہے ہیں کہ میں نے اپنے منبر کے نیچے تمھارے لئے خوشبو اور علم چھپا دیا ہے اور مالک کو کہہ دیا ہے کہ وہ لوگوں میں تقسیم کر دیں، امام مالک ضرور ہی رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کی تعمیل کریں گے، یہ سن کر امام مالک رونے لگے، میں اٹھ کر چلا آیا۔

---

(۱)''مقدمۃ الزرقانی''(ص۴)

حضرت عبداللہ بن مبارک کے خاص تلمیذ اور بڑے پایہ کے عبادت گزار اسماعیل بن مزاحم نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دیکھا تو دریافت کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! ہم آپ کے بعد کس سے مسائل پوچھیں، رسول اللہ ﷺ نے مالک بن انس کا نام لیا۔

ابوعبداللہ کہتے ہیں: میں نے خواب میں دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف فرما ہیں، مشتاقان زیارت کا ہجوم ہے، امام مالک رسول اللہ ﷺ کے سامنے کھڑے ہیں اور رسول اللہ ﷺ کے سامنے مشک رکھا ہوا ہے آپ ﷺ مٹھی بھر بھر کر مشک امام مالک کی طرف بڑھا رہے ہیں اور امام مالک لوگوں میں تقسیم فرما رہے ہیں، مطرف اس خواب کی تعبیر بتاتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: اس سے مراد علم اور اتباع سنت ہے۔ (۱)

مجلس درس اور مسند افتاء:

نوعمری ہی میں امام مالک کی مجلس درس وافتاء قائم ہوگئی تھی، کہا جاتا ہے کہ سترہ سال کی عمر میں امام مالک درس دینے لگے (۲)، (زرقانی نے ایسا ہی بیان کیا ہے) لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ امام مالک نے اپنی مسند درس وافتاء اس وقت تک نہیں بچھائی جب تک اہل فضل وکمال اور اصحاب ورع وتقویٰ سے اس سلسلہ میں استصواب اور مشورہ نہ کر لیا اور انہوں نے آپ کے علم وفضل اور لیاقت واستعداد کی گواہی نہیں دے دی۔

---

(۱) ''حلیۃ الأولیاء'' (۶/۳۱۷)   (۲) شیخ أبوزہرہ اس روایت پر نقد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ امام مالک پوری پختگی حاصل کرنے کے بعد درس وافتاء کی مسند پر جلوہ افروز ہوئے، واللہ أعلم (ص ۴۵)

امام مالک خود فرماتے ہیں کہ ایسا نہیں تھا کہ جو شخص بھی حدیث بیان کرنا اورفتوی دینا چاہتا تو مسجد نبوی میں بیٹھ کر حدیث بیان کرنا اور فتویٰ دینا شروع کر دیتا بلکہ اس کے لئے ضروری تھا کہ وہ اہل فضل وصلاح اور جمعہ و جماعت میں حاضر ہونے والے لوگوں سے استصواب کرے، اگر وہ اس کی لیاقت اور استعداد کی گواہی دے دیتے تو اس اہم منصب کے لئے وہ شخص بیٹھتا، خود میں اس وقت تک درس وافتاء کے لئے نہیں بیٹھا جب تک ستّر اہل علم اور اصحاب کمال نے میری اہلیت کی گواہی نہیں دی۔

ایک شخص امام مالک سے ایک مسئلہ دریافت کرنے آیا، ابن القاسم نے آگے بڑھ کر فوراً اس کو مسئلہ بتا دیا، امام مالک ان پر بہت خفا ہوئے اور فرمایا: ابو عبدالرحمن تمہیں فتوی دینے کی جرأت کیوں کر ہوئی ؟ (بار بار یہ جملہ دہراتے رہے) میں نے تو اس وقت تک ایک بھی فتوی نہیں دیا جب تک میں نے پوچھ نہ لیا کہ کیا میں فتوی دے سکتا ہوں؟ جب امام مالک کا غصہ فرو ہوا تو ان سے کسی نے پوچھا، حضرت! آپ نے کس سے پوچھا تھا؟ تو انہوں نے زہری اور ربیعہ کا نام لیا۔

امام مالک نے درس کے لئے مدینہ میں مسجد نبوی کی وہ جگہ پسند فرمائی تھی جہاں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی مجلس ہوا کرتی تھی اور یہی وہ جگہ تھی جہاں رسول اللہ ﷺ کی مبارک مجلسیں بھی منعقد ہوا کرتی تھیں، پھر جب امام مالک بیمار رہنے لگے تو گھر میں مجلس آراستہ ہونے لگی۔

امام مالک کا درس کیا تھا؟ علم وتفقہ اورمہارت و رزانت کا ایک سیل رواں ہوتا جس سے اپنی تشنگی اورعلمی پیاس بجھانے کے لئے طالبان علوم حدیث کشاں کشاں مختلف علاقوں سے آتے رہتے ،جس کی وجہ سے امام مالک کا مقام ومرتبہ لوگوں کے نزدیک بہت بلند ہوتا گیا،آپ کے ایک شاگردابومصعب کہتے ہیں: لوگ امام مالک کے دروازہ پر جب جمع ہوتے تو ایسی بھیڑ لگتی کہ لوگ قابو میں نہیں آپاتے اور جب درس شروع ہوتا تو کوئی کسی سے بات نہ کرتا اور کسی طرف متوجہ نہ ہوتا، بلکہ سب سرنگوں گوش برآواز ہوتے۔

زرقانی کہتے ہیں: امام مالک کا حلقہ ان کے اساتذہ کے حلقوں سے بھی بڑھ گیا تھا،لوگ حدیث اورفقہ حاصل کرنے کے لئے دروازہ پرایسی بھیڑ لگاتے جیسے بادشاہوں کے دروازوں پر مجمع ہوا کرتا ہے،دروازہ پرایک حاجب ہوتا جو پہلے خواص کواندر بلاتا پھرعوام کو آنے کی اجازت دیتا۔

ابن فرحون کہتے ہیں: امام مالک کے حلقہ درس پرشاہی دربار کا دھوکہ ہوتا تھا، دروازہ پرایک حاجب ہوتا، جب سب لوگ جمع ہوجاتے تو ایک پکارنے والا سب سے پہلے امام مالک کے اصحاب کو آواز دیتا، جب وہ اندر جاتے تو پھر حاجب عوام کو بلاتا، یہ اصحاب ہی امام مالک کے سامنے احادیث کی قرأت کرتے ،صرف یحیٰ بن بکیر(۱) کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انہوں نے امام مالک سے چودہ مرتبہ ''موطأ'' پڑھی ہے جن میں اکثر امام مالک نے خودقرأت کی ہے اورکبھی کبھی ان کے سامنے قرأت کی گئی ہے۔

---

(۱) یہ یحیٰ بن عبداللہ بن بکیر مخزومی ہیں، امام مالک، لیث اور بہت سے دیگر حضرات سے روایت کرتے ہیں، یہ حدیث کے بڑے عالم تھے، ۲۳۱ھ میں انتقال فرمایا، ''خلاصۃ التہذیب'' (ص۴۲۵)

امام مالک اپنے اصحاب کو پہلے اندر آنے کی اجازت دیتے تھے،اس سلسلہ میں ان سے استفسار کیا گیا تو انہوں نے فرمایا: اصل بات یہ ہے کہ میرے اصحاب، رسول اللہ ﷺ کے ''جیران'' (پڑوسی) ہیں۔(۱)

مجلس درس کا انداز:

امام مالک مجلس درس میں پرتکلف فرش کی شہ نشین پر جلوہ افروز ہوتے، شرکائے مجلس کے لئے دائیں بائیں تکیے پڑے رہتے، پوری مجلس پر وقار وسکون، علم اور حلم کی فضا چھائی رہتی، آپ کی ادا ادا سے شکوہ ووقار ظاہر ہوتا تھا،شور وغل کا کیا ذکر پوری مجلس پر مقدس سکوت طاری رہتا، جب کسی سوال کا جواب دیتے تو کوئی یہ نہیں پوچھ سکتا تھا کہ آپ نے یہ کہاں دیکھا؟۔

امام مالک کے ایک کاتب تھے،جن کا نام حبیب تھا،انہوں نے ہی آپ کی کتابیں لکھی تھیں، یہی حبیب سامعین کے لئے حدیثیں پڑھتے ،کوئی ان کے قریب نہیں آسکتا تھا، نہ ان کی کتاب میں کوئی جھانک سکتا تھا، ہیبت وجلال کا یہ عالم تھا کہ کوئی حبیب کو ٹوک نہیں سکتا تھا،ان سے اگر کہیں غلطی ہوجاتی تو امام مالک ہی ٹوکتے تھے،لیکن اس کی ضرورت بہت ہی کم پیش آتی تھی، درس شروع ہوجانے کے بعد آنے والے کے لئے جگہ نہیں خالی کرائی جاتی، بلکہ جہاں جگہ ملتی آنے والے کو بیٹھنے دیا جاتا،امام مالک جب حدیث بیان کرنے کے لئے بیٹھتے تو فرماتے: ''صاحب استعداد اور اہل فہم لوگ میرے قریب بیٹھیں''۔

---

(۱) دیکھئے: ''الدیباج المذہب'' (۲۳/۱)۔

ہارون رشید امام مالک کے درس میں:

ہارون رشید ایک مرتبہ مدینہ آئے، انہیں معلوم تھا کہ امام مالک ''موطأ'' کا درس دیتے ہیں، ہارون رشید نے برمکی کے ذریعہ امام مالک کو حدیث سننے کے لئے بلوایا، امام مالک نے برمکی سے کہا: جاؤ ہارون رشید کو میرا اسلام کہنا اور بتلا دینا کہ ''علم کے پاس لوگ آتے ہیں، لوگوں کے پاس علم نہیں جاتا'' برمکی نے ہارون رشید سے آکر بیان کیا، قاضی ابو یوسف وہاں تشریف فرما تھے، کہنے لگے، امیر المؤمنین! اہل عراق کو معلوم ہوگا کہ آپ نے ایک کام کے لئے امام مالک کو بلایا اور وہ نہیں آئے تو آپ کی بڑی سبکی ہوگی، آپ انہیں ضرور بلائیں، یہ بات ہو ہی رہی تھی کہ امام مالک تشریف لے آئے، سلام کر کے بیٹھ گئے، ہارون رشید نے کہا کہ اے ابو عامر! میں نے آپ کو بلایا لیکن آپ نے میری بات ٹال دی، امام مالک نے کہا: امیر المؤمنین! مجھ سے زہری نے اور انہوں نے خارجہ بن زید سے اور انہوں نے اپنے والد سے بیان کیا ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کے سامنے بیٹھ کر وحی شدہ آیت یعنی ﴿لایستوي القاعدون من المؤمنين﴾ لکھ رہا تھا، حضرت عبداللہ بن ام مکتوم بھی تشریف فرما تھے، انہوں نے فرمایا کہ: ''یارسول اللہ! میں تو نابینا انسان ہوں، اللہ نے جہاد کی فضیلت کے سلسلہ میں یہ آیت نازل فرمائی ہے''، میرا قلم خشک بھی نہیں ہوا تھا کہ نبی کریم ﷺ کی ران میری ران پر پڑی، پھر غنودگی کی کیفیت طاری ہوئی پھر فرمایا: زید! لکھو ﴿غير أولى الضرر﴾۔

اے امیر المؤمنین! ایک حرف کے لئے حضرت جبرئیل اور دیگر ملائکہ کرام علیہم السلام کو پچاس ہزار سال کی مسافت سے بھیجا جار ہا ہے تو کیا میرے لئے مناسب نہیں ہے کہ اس علم کی عزت اور توقیر کروں، اللہ تعالیٰ نے اس علم کی وجہ سے آپ کو عزت اور مقام عطا فرمایا ہے تو آپ علم کی عزت کو پامال نہ کیجئے ورنہ اللہ تعالیٰ آپ کی عزت کو پامال کرسکتا ہے۔

ہارون رشید یہ سن کر اٹھے اور امام مالک کے ساتھ ان کے گھر ''موطأ'' کی سماعت کے لئے آئے، امام مالک نے ان کو مسند درس پر بٹھایا، پھر ہارون رشید نے چاہا کہ امام خود پڑھیں تو امام مالک نے فرمایا: آپ خود پڑھئے کیونکہ میں نے ایک مدت سے کسی کے سامنے نہیں پڑھا ہے، ہارون رشید نے کہا: پھر لوگوں کو ذرا باہر نکال دیجئے تا کہ میں آپ کے سامنے پڑھوں، امام مالک نے فرمایا: خواص کے لئے اگر عوام کو مجلس سے نکال دیا جائے تو خواص کو بھی اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا، پھر معن بن عیسیٰ قزاز کو حکم دیا، انہوں نے حدیث پڑھی، امام مالک نے ہارون رشید سے کہا: امیر المؤمنین! ہم نے اپنے شہر کے تمام اہل علم کو دیکھا کہ وہ علم حاصل کرنے میں تواضع پسند فرماتے ہیں، یہ سنتے ہی ہارون رشید شہ نشیں سے نیچے آگئے اور سامنے بیٹھ کر حدیث کی سماعت کی۔(۱)

حدیث کا احترام:

ابن فرحون کہتے ہیں: امام مالک فقہ بیان کرنے کے لئے کچھ زیادہ اہتمام نہیں کرتے تھے، لیکن جب حدیث بیان کرنے کے لئے تشریف لاتے تو

(۱) ''شذرات الذہب'' (۱/۲۹۱)۔

پہلےغسل فرماتے ،خوشبولگاتے ، نئے یااچھے کپڑے پہنتے ،سر پرعمامہ باندھتے ، خشوع وخضوع اور وقار کے ساتھ بیٹھتے ، درس شروع ہونے سے لے کر اخیر تک عود کی دھونی دی جاتی ، اور یہ سب کچھ حدیث رسول اللہ ﷺ کی تعظیم واحترام میں کرتے ۔

مطرف کہتے ہیں : امام مالک کے پاس جب لوگ آتے تو پہلے باندی آ کر پوچھتی کہ شیخ دریافت کررہے ہیں کہ آپ حضرات مسائل معلوم کرنے کے لئے آئے ہیں یا حدیث حاصل کرنے کے لئے ، وہ لوگ مسائل معلوم کرنا مقصد بتاتے تو امام مالک باہر تشریف لاتے اور مسئلہ بتادیتے ، اور اگر حدیث حاصل کرنے کا ذکر کرتے تو ان سے کہلواتے کہ بیٹھئے ابھی آتا ہوں ، پھر غسل فرماتے ، خوشبو لگاتے ، نئے کپڑے پہنتے ، پگڑی باندھتے اور سر پر لمبی ٹوپی رکھتے ۔(۱)

عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں : میں امام مالک کے پاس تھا ، وہ حدیث بیان فرمارہے تھے ، ایک بچھو نے سولہ مرتبہ ان کو کاٹا ، امام مالک کے چہرہ کا رنگ بدل جاتا ، لیکن آپ نے سلسلۂ حدیث کو منقطع نہیں فرمایا ، جب سب لوگ حدیث سن کر چلے گئے تو فرمایا کہ میں نے حدیث رسول ﷺ کے احترام میں یہ سب برداشت کیا ، (اللہ ہمیں ان حضرات کی اتباع نصیب فرمائے) ۔

خالد بن نزار کہتے ہیں : میں نے امام مالک سے ایک حدیث دریافت کی ، وہ اس وقت تکیہ لگائے بیٹھے تھے ، اسی حالت میں حدیث بیان کرنا شروع

---

(۱) دیکھئے : ''المدارک'' (۱۳/۲)

کردیا، "حدثني یحیٰ بن سعید عن سعید بن المسیب" پھر سیدھے بیٹھ گئے، کپڑے ٹھیک کئے اور اَستغفر اللہ پڑھنے لگے، میں نے وجہ دریافت کی تو فرمایا کہ علم حدیث کی شان بہت بلند ہے، میں نے کبھی ٹیک لگا کر حدیث نہیں بیان کی ہے۔

ابن مہدی کہتے ہیں: میں ایک مرتبہ امام مالک کے ساتھ مسجد نبوی سے عقیق جا رہا تھا، راستہ میں میں نے ان سے ایک حدیث پوچھ لی، امام مالک سخت برہم ہوئے، اور ایک روایت میں ہے کہ میری طرف متوجہ ہوئے اور کہا کہ: تم پہلے میری نگاہ میں بہت بلند تھے، لیکن تم نے راہ چلتے رسول اللہ ﷺ کی حدیث بیان کرنے کی مجھ سے فرمائش کر کے اپنا وقار کھو دیا، میں نے إنا لله پڑھا، مجھ کو یقین آ گیا کہ میں ان کی نظر میں گر گیا، پھر جب مجلس ہوئی تو میں امام مالک سے کچھ دور بیٹھا، امام مالک نے مجھے قریب بلایا اور فرمایا: ہم سمجھتے تھے کہ تم کو ادب آ گیا، لیکن راہ چلتے تم ہم سے حدیث پوچھتے ہو؟ اب یہاں اطمینان سے جو چاہو پوچھو۔

ابو مصعب کہتے ہیں: قاضی جریر بن عبدالحمید نے امام مالک سے کھڑے کھڑے ایک حدیث پوچھی، امام مالک نے سزا کے طور پر ان کو روکے رکھے جانے کا حکم دیا، لوگوں نے بتایا: یہ شہر کے قاضی ہیں، امام مالک نے فرمایا: قاضی تو زیادہ مستحق ہے کہ اس کو ادب سکھایا جائے، پھر لوگوں نے دوسرے دن تک کے لئے ان کو روکے رکھا۔

مدینہ کی محبت:

امام مالک کو مدینہ منورہ سے اس درجہ محبت تھی کہ بجز حج وعمرہ کے کبھی مدینہ سے باہر نہیں نکلے۔

ابن خلکان نے ذکر کیا ہے کہ امام مالک کمزوری ونقاہت کے باوجود مدینہ میں پیدل ہی چلتے، کبھی سواری پر سوار نہیں ہوتے، فرماتے تھے میں ایسے شہر میں سواری پر کیسے چل سکتا ہوں جہاں رسول اللہ ﷺ مدفون ہوں۔(۱)

خلیفہ مہدی جب مدینہ آئے تو امام مالک کی خدمت میں ربیع کے ہاتھوں دو یا تین ہزار دینار بھیجے، جیسے ہی ربیع دینار رکھ کر باہر نکلے، امام مالک نے باندی سے کہا، یہ مال ویسے ہی رہنے دینا، میں نے ربیع کا چہرہ پڑھ لیا ہے، اس ہدیہ کے پیچھے ان کا کچھ مقصد ہے، پھر جب مہدی حج کے موقع پر مدینہ آئے تو پھر ربیع امام مالک کے پاس آئے اور امام مالک سے کہا کہ امیر المؤمنین آپ کو سلام کہتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ آپ مدینہ کے بجائے بغداد کی سکونت اختیار کریں، امام نے جواب دیا کہ امیر المؤمنین کو میرا سلام کہئے اور بتا دیجئے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "المدينة خيرلهم لوكانوا يعلمون " اس لئے آپ اپنا مال واپس لے لیں، وہ علی حالہ رکھا ہوا ہے، لیکن مالک سے مدینہ نہیں چھوٹ سکتا، پھر اپنی باندی کو مال واپس کرنے کو کہا، ربیع نے ہدیہ واپس لینے سے انکار کیا لیکن امام مالک کے شدید اصرار پر واپس لینا پڑا، ربیع جب ہدیہ واپس لے کر

---

(۱) "وفیات الأعیان" (۱۳۵/۴)

مہدی کے پاس پہونچے تو مہدی کو بڑا رنج اور ملال ہوا، پھر جب مہدی کی واپسی ہونے لگی تو جو لوگ رخصت کرنے کی غرض سے آئے ہوئے تھے مہدی نے سب کو کچھ کچھ عطیہ اور ہدیہ دیا، امام مالک کے لئے اس وقت کچھ بھی حکم نہیں دیا، پھر جب مہدی گھر آ گئے تو چھ ہزار دینار امام مالک کی خدمت میں بھیجے، امام مالک نے حاضرین سے کہا کہ ''دیکھو جو اللہ کے لئے کچھ چھوڑتا ہے تو اللہ اس کو اس سے اچھا عوض عطا فرماتا ہے۔(۱)

امام مالک اور والیانِ سلطنت:

امام مالک والیان حکومت سے بہت دور رہا کرتے تھے لیکن ان کا نظریہ تھا کہ علماء کو خلفاء اور والیان سلطنت سے اپنا رشتہ نہیں توڑنا چاہئے، اس لئے کہ حکام اور خلفاء کو سمجھانے اور نصیحت کرتے رہنے کی ذمہ داری علماء ہی پر عائد ہوتی ہے، انہوں نے خود اس کا تجربہ کیا تھا کہ حکام کو نصیحت کی جائے تو وہ بہت سے گناہوں سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں، اس سے ان کی شر انگیزی بھی کم ہو جایا کرتی ہے، اور کبھی کبھی وہ نیکیوں کا مجسمہ بھی بن جاتے ہیں۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی مثال نگاہوں کے سامنے ہے، اسی جذبہ کے پیش نظر امام مالک امراء و خلفاء کے پاس تشریف لیجاتے، ان کو نصیحت فرماتے اور اچھائیوں کی تلقین کرتے اور جوں جوں امام کا درجہ لوگوں کی نگاہ میں بلند ہو رہا تھا آپ کے اندر نصیحت کرنے کا جذبہ بھی زیادہ بڑھتا جا رہا تھا، امام

(۱) ''المدارک'' (۱۰۰/۲)

مالک علماء سے کہتے کہ وہ والیانِ حکومت کے پاس جائیں اور ان کو خیر کی دعوت دیں، امام مالک کا نقطۂ نظر تھا کہ اللہ تعالیٰ نے جس کو بھی علم وفقہ کا کچھ حصہ عطا فرمایا ہے اس پر واجب ہے بلکہ ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ امراء کے پاس جا کر ان کو اچھائیوں کی تلقین کرے، برائیوں سے روکے تاکہ ایک عالم کا دربار شاہی میں جانا دوسرے لوگوں سے مقصد کے اعتبار سے ممتاز نظر آئے۔(۱)

امام مالک کے بعض تلامذہ نے ان سے کہا کہ لوگ کہتے ہیں کہ آپ امراء کے پاس جایا کرتے ہیں، امام مالک نے فرمایا کہ میں تو اپنے اوپر جبر کرکے بادل ناخواستہ جاتا ہوں تاہم جانا ضروری سمجھتا ہوں۔

اس سے معلوم ہوا کہ امام مالک امراء کے پاس جانے کی مشقت صرف اس لئے برداشت کرتے تھے کہ ان کے جانے سے امراء اور والیانِ سلطنت کے اندر دین کی رغبت پیدا ہو، نیکی کی توفیق ملے اور برائی سے باز رہیں، امراء کو نصیحت کرنا امام مالک اپنا فرض سمجھتے تھے، فرماتے تھے کہ اگر میں امراء اور والیان حکومت کے پاس نہ جایا کرتا تو مدینہ میں رسول اللہ ﷺ کی سنتوں کا چلن اور رواج بھی نہ دیکھ پاتا۔

خود امراء وحکام امام مالک کے علمی مقام ومرتبہ سے خوب واقف تھے، ابوجعفر منصور حجاز کے والی مقرر کرنے میں امام مالک کی رائے لیتے تھے، اس سلسلہ میں ابوجعفر نے امام مالک سے یہ بھی کہہ دیا تھا کہ مدینہ، مکہ یا حجاز کے کسی

---

(۱) ''المدارک'' (۹۵/۲)۔

عامل کی کوئی بات آپ کو کھٹکے یا رعایا کے ساتھ ان کا کوئی معاملہ آپ کی نگاہ میں نا مناسب لگے تو آپ مجھے اس کے بارے میں لکھئے، میں اس کا تدارک کرونگا، میں نے خود اپنے عمال کے نام یہ فرمان جاری کر دیا ہے کہ وہ آپ کی بات تسلیم کریں، لہٰذا آپ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہیئے، اللہ آپ کو بہترین اجر عطا فرمائیں گے، آپ اس لائق ہیں کہ آپ کی بات سنی اور مانی جائے۔(۱)

امراء اور حکام سے ملتے وقت امام مالک اپنے علمی وقار و تمکنت کا پورا لحاظ رکھتے تھے تاکہ ان پر ان کی نصیحتوں کا خاطر خواہ اثر پڑے اس لئے کہ باتوں میں تاثیر کہنے والے کی حیثیت کے بقدر پیدا ہوتی ہے۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ خلیفہ مہدی مدینہ منورہ آئے، مسلمان خلیفہ سے ملنے جوق در جوق آتے اور سلام کر کر کے بیٹھتے جاتے، اخیر میں امام مالک تشریف لائے، لوگوں نے کہا، آج امام مالک بالکل اخیر میں بیٹھ پائیں گے، جب امام مالک مجلس کے قریب آئے اور لوگوں کی بھیڑ دیکھی تو خلیفہ کو مخاطب کر کے کہا: اے امیر المؤمنین! آپ کے شیخ واستاذ مالک کہاں بیٹھیں؟ امیر المؤمنین نے کہا: اے ابوعبداللہ تشریف لایئے آپ یہاں آکر میرے پاس بیٹھئے، امام مالک آگے بڑھتے ہوئے مہدی کے پاس پہونچ گئے، مہدی نے اپنا دایاں گھٹنہ اٹھالیا اور اپنے پہلو میں امام کو جگہ دی۔(۲)

---

(۱)''المدارک''(۹۸/۲)

(۲)''المدارک''(۹۸/۲)

خلفاء وحکام کونصیحت:

امام مالک جب کسی والی یا حاکم کے پاس تشریف لے جاتے تو انہیں نصیحت کرتے ہوئے مسلمانوں کے مفاد کا خیال رکھنے اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی تلقین ضرور کرتے، حنینی کہتے ہیں کہ میں نے امام مالک کو کہتے ہوئے سنا کہ خدا کی قسم میں جب بھی کسی حاکم یا والی کے پاس گیا تو اللہ تعالیٰ نے میرے دل سے اس کی ہیبت دور فرمادی اور میں نے بے خوف وخطر اس کے سامنے حق بات ظاہر کی، ایک مرتبہ ہارون رشید سے کہا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ قحط سالی کے زمانہ میں خود چولھا جلاتے، دھواں آپ کی داڑھی سے نکلتا تھا، آپ اللہ کا شکر ادا کیجئے کہ لوگ اس سے کم پر ہی آپ سے خوش ہیں۔

ایک حاکم سے امام مالک نے صاف صاف کہا: رعایا کے حالات کی خبر گیری کرتے رہئے، آپ سے ان کے بارے میں سوال کیا جائے گا، اس لئے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے ارشاد فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے دریائے فرات کے کنارے اگر کوئی اونٹ ضائع ہو جائے تو میں سمجھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس کے بارے میں قیامت کے دن مجھ سے مؤاخذہ فرمائیں گے۔(۱)

منصور کے بعد جتنے خلفاء تخت سلطنت پر جلوہ افروز ہوئے، سب کے سب امام مالک کے شاگرد تھے، اس لئے ان پر امام مالک کی نصیحتوں کا اثر ہونا فطری بات تھی۔

---

(۱)"المدارک"(۹۶/۲)۔

ایک مرتبہ امام مالک مہدی کے پاس گئے، مہدی نے نصیحت کرنے کی فرمائش کی، امام مالک نے فرمایا: میں تم کو صرف اللہ سے ڈرتے رہنے اور رسول اللہ ﷺ کے شہر والوں اور آپ ﷺ کے پڑوسیوں کا خیال رکھنے کی نصیحت کرتا ہوں، اس لئے کہ حدیث نبوی ہے کہ ''مدینہ میری ہجرت گاہ ہے، وہیں میری قبر ہوگی، وہیں سے قیامت کے دن میں اٹھونگا، مدینہ کے باشندے میرے پڑوسی ہیں، میری امت پر فرض ہے کہ وہ پڑوسیوں کے بارے میں میرا لحاظ کریں، جو میرے پڑوسیوں کا خیال رکھے گا میں قیامت کے دن اس کا سفارشی ہوں گا''۔

یہ نصیحت سن کر مہدی اٹھا اور مدینہ کے گھر گھر خود جا کر مال تقسیم کیا، پھر جب مہدی کی واپسی ہونے لگی تو امام مالک اس کے پاس گئے، مہدی نے کہا: مجھے آپ کی نصیحت خوب یاد ہے، میں جب تک سلامت رہوں گا اہل مدینہ کا پورا خیال رکھوں گا۔

ایک مرتبہ مسجد نبوی میں ابوجعفر منصور اور امام مالک کے درمیان مناظرہ ہوا، ابوجعفر کی آواز بلند ہونے لگی تو امام مالک نے فرمایا: امیر المؤمنین یہ مسجد نبوی ہے، اپنی آواز بلند مت کیجئے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿يا أيها الذين آمنوا لا ترفعوا أصواتكم فوق صوت النبي﴾ (ترجمہ) اے ایمان والو! تم اپنی آوازیں پیغمبر ﷺ کی آواز سے بلند مت کیا کرو۔

آواز پست رکھنے والوں کی اللہ نے اس آیت میں تعریف فرمائی ہے

﴿إن الذين يغضون أصواتهم عند رسول الله أولئك الذين امتحن الله قلوبهم للتقوى ، لهم مغفرة و أجرعظيم ﴾۔

اورآواز بلند رکھنے والوں کی مذمت فرمائی ہے:

﴿إن الذين ينادونك من وراء الحجرات أكثرهم لا يعقلون﴾۔

اورآپ ﷺ کا احترام جس طرح زندگی میں واجب تھا اسی طرح وفات کے بعد بھی واجب ہے،اس تقریر بلیغ کے بعد ابوجعفر خاموش ہوگئے۔

یعیش بن ہشام خابوری کہتے ہیں: میں امام مالک کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ مامون (اور قول صحیح کے موافق) ہارون کا قاصد آیا اور اس نے امام مالک کو حضرت معاویہ کی ''سفرجل'' والی حدیث بیان کرنے سے منع کیا،امام مالک نے قاصد کا پیغام سن کر قرآن کی آیت ﴿إن الذين يكتمون﴾۔(۱) تلاوت فرمائی اور کہا،خدا کی قسم میں یہ حدیث اسی میدان میں بیان کروں گا اور پھر بیان بھی فرمایا کہ نافع نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کیا کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھا تھا کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں سفرجل (بہی) ہدیہ پیش کیا،رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحاب کو ایک ایک سفرجل دیا اور حضرت معاویہ کو تین دیئے اور فرمایا:تم ان کے ذریعہ جنت میں مجھ سے ملنا اور رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا: کہ ''سفرجل'' یعنی بہی دل کی بے چینی کو دور کرتی ہے۔

خلیفہ مہدی نے امام مالک سے تین اہم چیزوں کے بارے میں

(۱) سورۃ البقرۃ (آیت ۱۵۹)

بطور خاص مشورہ کیا تھا کہ کیا خانۂ کعبہ کو سابقہ حالت پر کردیا جائے تو امام مالک نے ایسا کرنے سے منع کیا، منبر نبوی کے بارے میں مشورہ کیا کہ اس کے زائد زینے نکال کر (جو حضرت معاویہ نے بنوائے تھے) منبر نبوی کو اصلی حالت پر کر دیا جائے، تو امام مالک نے فرمایا کہ ایسا نہ کیجئے کہ اس منبر کی لکڑی کہنہ اور کمزور ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ تختوں کے ادھر اُدھر کرنے سے ٹوٹ جائے، اسی طرح نافع بن أبی نعیم القاریٔ کو امام بنانے کے بارے میں مشورہ کیا تو انہوں نے اس سے بھی منع فرمایا۔(۱)

امام مالک آزمائش کی گھڑی میں:

امام مالک کا زمانہ سیاسی اتھل پتھل کا زمانہ تھا، یہی وجہ تھی کہ امام مالک سیاسی امور میں بہت ہی احتیاط برتتے تھے، لوگوں میں مشہور تھا کہ امام مالک لوگوں کی بہت رعایت کرتے ہیں، رائے زنی میں بہت احتیاط سے کام لیتے ہیں، لیکن اس درجہ رعایت کے بعد بھی آپ ایک بڑی آزمائش کے شکار ہوئے، یہ واقعہ خلیفہ عباسی ابوجعفر منصور کے دور کا ہے، سارے مؤرخین بالاتفاق اس آزمائش کا ذکر کرتے ہیں، لیکن اس کے زمانہ کی تعیین میں اختلاف ہے، اکثر راویوں کا قول ہے کہ ۱۴۶ھ کا واقعہ ہے، جب کہ ایک قول ۱۴۷ھ کا ہے، اس آزمائش میں پڑنے کا سبب کیا تھا؟ اس سلسلہ میں مختلف اقوال ہیں۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ امام مالک حضرت عبداللہ بن عباس کے

---

(۱) ''المدارک'' (۱۰۶/۲)۔

''نکاح متعہ'' کے سلسلہ میں پائے جانے والے قول کے برخلاف فرماتے تھے کہ نکاح متعہ حرام ہے، اور ابن عباس خاندان خلفائے بنوعباس کے سرخیل ہیں۔(۱)

میں کہتا ہوں کہ اس واقعہ کو ثقہ حضرات میں سے کسی نے نہیں بیان کیا جب کہ '' نکاح متعہ'' باتفاق امت حرام ہے، ایک قول یہ بھی ہے کہ امام مالک حضرت علی پر حضرت عثمان کو فوقیت دیتے تھے، اسی بنیاد پر علویوں نے والی مدینہ کو امام مالک کے خلاف ورغلایا، ''مدارک'' میں اس واقعہ کا تذکرہ ہے، لیکن اس کا سقم بھی ظاہر ہے۔

ابن بکیر نے ایک مرتبہ فرمایا: حضرت علی پر حضرت عثمان کو ترجیح دینے کی وجہ سے امام مالک کو کوڑے لگائے گئے تھے، دراصل علویوں نے آپ کے خلاف سازش کر کے والی مدینہ کے ذریعہ آپ کو سزا دلوائی، ابن بکیر سے کہا گیا کہ آپ کے دوسرے ساتھی تو کہتے ہیں کہ بیعت جبری والے مسئلہ کی وجہ سے کوڑے لگائے گئے تو ابن بکیر نے فرمایا: میں اپنے ساتھیوں سے زیادہ جانتا ہوں۔

لیکن یہ واقعہ نہ تو مشہور ہے اور نہ ہی تاریخی طور پر صحیح ہے، اس لئے کہ امام مالک کی تعزیر کا زمانہ محمد بن عبداللہ ذوالنفس الزکیہ کے مدینہ میں خروج اور ان کے قتل کا زمانہ ہے اور اس وقت خلیفہ عباسی کی نگاہ میں علوی انتہائی مبغوض تھے، اور اس لئے ابوجعفر اس زمانہ میں اس فتوی کی وجہ سے امام مالک جیسے جلیل القدر فقیہ کو اس قدر تکلیف دہ سزائیں نہیں دے سکتا تھا۔

---

(۱) ''شذرات الذہب'' (۲۹۰/۱)۔

تعزیر کا اصل اور صحیح سبب امام مالک کا ’’لیس علی مستکرہ طلاق‘‘ کا فتوی ہے، تفصیل اس کی یہ ہے کہ ابو جعفر منصور کا چچازاد بھائی جعفر اس وقت مدینہ کا والی تھا، کچھ لوگوں نے اس سے کہا کہ دیکھو امام مالک کا فتوی ہے کہ ’’جبراً کسی سے طلاق دلائی جائے تو طلاق واقع نہ ہوگی‘‘ اس فتوی کا مطلب یہ ہے کہ تم نے لوگوں سے جو جبراً بیعت لی ہے امام مالک اپنے فتوی سے اس بیعت کو توڑ رہے ہیں۔

جعفر (والی مدینہ) نے یہ بات سن کر امام مالک کی گرفت کرنا چاہی، لیکن اس کے پاس اس کا کوئی ثبوت نہیں تھا، بدخواہوں نے بھی جلد بازی کرنے سے جعفر کو منع کر دیا تھا اور یہ بھی بتا دیا تھا کہ امام مالک کی دربار شاہی میں بڑی حیثیت اور بلند مقام ہے، جعفر نے اس کی شکل یہ نکالی کہ اس نے اس موضوع پر باضابطہ ان کی رائے پوچھی، امام مالک نے جب پوری صراحت کے ساتھ اپنی رائے ظاہر فرمادی تو اس نے کوڑے لگوائے۔

مورخ ابن جریر کہتے ہیں کہ امام مالک اس حدیث کو بیان کر کے دراصل محمد بن عبداللہ کی بیعت پر لوگوں کو ابھارنا چاہتے تھے، اس لئے کہ روایت ہے کہ امام مالک نے لوگوں کو ذوالنفس الزکیہ کے ہاتھوں پر بیعت کرنے کو کہا، لوگوں نے امام مالک سے کہا کہ ہماری گردنوں میں منصور کی بیعت کا طوق پہلے سے پڑا ہے، تو امام مالک نے فرمایا کہ وہ بیعت تو جبراً لی گئی ہے اور بیعت جبری کا اعتبار نہیں، اس فتوی کے بعد لوگوں نے محمد بن عبداللہ کے ہاتھوں پر بیعت کی، امام مالک اس زمانہ میں خانہ نشیں ہو گئے تھے۔(۲)

---

(۱) دیکھئے: ’’شذرات الذھب‘‘ (۲۹۰/۱)۔ (۲) ’’تاریخ الطبری‘‘ (۵۶۰/۷)۔

ابن خلکان کہتے ہیں: جعفر بن سلیمان کو امام مالک کے خلاف بہت ورغلایا گیا تو جعفر نے ناراض ہوکر امام مالک کو بلوایا اور کپڑے اتر واکر کوڑے لگوائے، دونوں ہاتھ اس حد تک کھینچے گئے کہ شانہ اکھڑ گیا، لیکن اس تعزیر نے امام مالک کی عزت ووقار کے پایہ کو اور بلند کر دیا، گویا یہ کوڑے نہیں بلکہ زیور تھے جن سے آپ کی زندگی مزید آراستہ ہوگئی۔(۱)

حافظ ذہبی کہتے ہیں کہ ایسی آزمائشوں کے نتیجہ میں سزا پانے والوں کی عزت دوسروں کی نگاہ میں مزید بڑھ ہی جایا کرتی ہے۔(۲)

کوڑے کی تعداد میں بھی اختلاف ہے، تیس سے سو تک کی مقدار بیان کی جاتی ہے، دونوں ہاتھ اتنے کھینچے گئے کہ مونڈھوں سے اتر گئے، جس کا نتیجہ تھا کہ آپ اپنا ہاتھ اٹھا نہیں سکتے تھے، چادر بھی درست نہیں کر پاتے تھے۔

ظاہر ہے کہ اہل مدینہ اپنے امام اور فقیہ کے ساتھ ایسا نازیبا سلوک دیکھ کر بنو عباس اور خلفاء بنو عباس سے سخت ناراض ہوئے ہوں گے، خود حکومت کے لوگوں نے بھی اس حرکت کو نازیبا سمجھا، خلیفہ ابوجعفر منصور نے امام مالک کو نہ مارا، نہ مارنے کو کہا اور نہ یہ حرکت اس کو پسند آئی، اس لئے ابوجعفر منصور جب حجاز آیا، تو امام مالک سے اس نے بڑی معذرت کی۔

اس واقعہ کو خود امام مالک کی زبانی سنئے، جس سے امام مالک کے مقام و مرتبہ اور خلفاء کی نگاہ میں ان کی عزت واحترام کا بھی اندازہ ہو سکے گا۔

---

(۱) ''وفیات الاعیان'' (۴/۱۳۷)، ''الانتقاء'' (ص ۴۳)۔ (۲) دیکھئے: ''سیر أعلام النبلاء'' (۸/۸۱)۔

’’میں جب ابوجعفر کے پاس آیا اورانہوں نے مجھ سے موسم حج میں ملنے کو کہا تھا تو ابوجعفر نے کہا: قسم ہے اس ذات کی جس کے علاوہ کوئی معبود بننے کے لائق نہیں ہے میں نے نہ تو تعزیر کے لئے کہا تھا اور نہ ہی مجھ کو اس کا علم ہی تھا، اے ابوعبداللہ! جب تک آپ موجود ہیں اہل حرمین کے آپ ہی ملجاو ماوی ہیں، جن مصائب کا ان کو نشانہ بننا چاہئے صرف آپ کی ذات سے وہ ان سے محفوظ ہیں، مجھ کو جہاں تک علم ہے ان دونوں مقامات کے باشندے فتنہ میں بہت جلد مبتلا ہو جاتے ہیں اور میں نے جعفر (والی مدینہ) کی نسبت حکم دیا ہے کہ اس کو مدینہ سے بغداد گدھے پر سوار کر کے لایا جائے ،اور اس کو خوب ذلت وایذا پہونچائی جائے، میں اس کو ضرور ایسی سزا دوں گا، جیسی آپ کو اس سے پہونچی ہے، میں نے یہ سب سن کر کہا: اللہ امیر المؤمنین کو عافیت کے ساتھ قائم و دائم رکھے، میں نے رسول اللہ ﷺ اور آپ سے قرابت کی خاطر اس کو معاف کیا، امیر المؤمنین نے کہا: اللہ آپ کو بھی معاف کرے اور صلہ رحمی کا بہترین بدلہ دے۔

امام باجی کہتے ہیں کہ جب منصور حج کے لئے آئے اور جعفر بن سلیمان (والی مدینہ) سے امام مالک کا قصاص لینا چاہا تو امام مالک نے فرمایا کہ جب کوڑا میرے بدن پر لگنے کے بعد اٹھتا تھا، اسی وقت میں نے اس کو معاف کر دیا تھا کہ اس کی رسول اللہ ﷺ سے قرابت ہے۔(۱)

دراوردی کہتے ہیں کہ جب امام کو کوڑے لگائے جا رہے تھے اس وقت

---

(۱)’’المدارک‘‘(۲/۱۳۱)۔

میں نے سنا وہ فرما رہے تھے: اے اللہ انہیں معاف فرما دے، یہ نہیں جانتے، ایک روایت یہ ہے کہ جب کوڑے لگائے گئے تو آپ پر بیہوشی طاری ہوگئی، پھر جب افاقہ ہوا تو فرمایا کہ میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ میں نے اپنے مارنے والے کو معاف کردیا۔

امام مالک کے خطوط خلفاء کے نام:

امام مالک خلفاء و حکام کو زبانی بھی نصیحت کرتے اور خطوط لکھ کر بھی انہیں اچھے کاموں کی تلقین فرماتے رہتے، ایک خط درج کیا جارہا ہے، جس میں امام مالک نے ایک خلیفہ کو نصیحت کرتے ہوئے لکھا ہے:

''میں یہ خط بھیج رہا ہوں، اس میں میں نے دین و دنیا کی بھلائی اور سعادت کی جملہ باتیں ذکر کردی ہیں، آپ ان باتوں پر خوب غور کیجئے، بار بار خط پر نظر ڈالئے، خانۂ دل میں اس کو سجا کر رکھئے، اس کی باتیں ہمیشہ پیش نظر رہیں، اس میں دنیا کی سعادت اور آخرت کا بہترین اجر پوشیدہ ہے۔

موت کی سختیوں کو ہمیشہ ذہن میں رکھئے، پھر یہ بھی سوچتے رہئے کہ مرنے کے بعد اللہ کے سامنے پیش ہونا ہے، پھر حساب و کتاب کا سامنا کرنا ہے، حساب کے بعد یا تو ہمیشہ کے لئے جنت ملے گی یا پھر مسلسل جہنم کی آگ میں جلنا ہوگا، قیامت کی ہولناکیوں اور سختیوں کو یاد کرکے ایسے کام میں اپنے کو لگائے رہئے کہ وہ سختیاں آسان ہوجائیں، آپ اگر برے لوگوں کے انجام کے بارے میں غور کریں اور تصور کریں کہ وہ طرح طرح کے عذاب میں گرفتار ہیں، اللہ کی

پکڑ کا سامنا ہے، ان کے چہرے جھلسے اور بگڑے ہوئے ہیں، چیخ و پکار مچی ہے، جہنم کی گہرائیوں میں اوندھے منہ پڑے الٹ پلٹ رہے ہیں، کان پڑی آواز سنائی دیتی ہے نہ کچھ راحت کا سامان نظر آتا ہے، اہل دوزخ شدت تکلیف سے موت کی تمنا کریں گے، لیکن موت نہیں آئے گی اور سب سے بڑھ کر اس بات کی حسرت ہوگی کہ اللہ نے ان سے رخ پھیر لیا ہے، اللہ کی رحمت سے محروم ہیں، ''قال اخسئوا فیھا ولا تکلمون''(۱) کے اعلان نے ہر طرح کی امید ختم کر دی ہے، اگر آپ ان تمام چیزوں پر غور کریں تو دنیا کی بڑی سے بڑی چیز بلکہ اہل دنیا کے تمام تر ساز و سامان کے بدلہ اس وقت کی سختیوں سے نجات حاصل کرنا آپ کو سستا سودا محسوس ہوگا۔

اور اگر آپ اللہ کے نیک بندوں کو دیکھیں کہ وہ اللہ کے انعامات کے سائے میں ہیں، اللہ کے نزدیک ان کا ایک بلند مقام و مرتبہ ہے، ان کے چہرے ہشاش بشاش، روشن اور چمک دار ہیں، اللہ کے دیدار سے ان کی آنکھیں روشن ہو رہی ہیں، تقرب خداوندی سے بہرہ ور ہیں، تو آپ کی نگاہ میں دنیا کی بڑی سے بڑی چیز ہیچ نظر آئے گی، اس لئے آپ اپنا جائزہ لیتے رہیں اور نفس کی اصلاح کرتے رہیں، قبل اس کے کہ موت آپ کو آواز دے اور آپ بارگاہ خداوندی میں حاضر ہوں، اس سے یہ بھی فائدہ حاصل ہوگا کہ موت کی سختیوں کا کوئی اندیشہ نہ ہوگا، اللہ کے واسطے آپ خود اپنے نفس سے جنگ کیجئے، ابھی آپ کے بس میں

---

(۱) ''سورۃ المؤمنین'' (آیت ۱۰۸)۔ ((ترجمہ) اللہ تعالیٰ فرمائیں گے جہنم میں ذلیل ہو کر پڑے رہو اور مجھ سے بات بھی نہ کرو)

ہے کہ اپنے کو فائدہ پہونچائیں اور نقصان سے بچائیں لیکن جب موت اپنا پنجہ گاڑدے گی تو پھر آپ اپنے کو نہ نفع پہونچا سکتے ہیں اور نہ اپنے سے کسی نقصان کو دفع کر سکتے ہیں، اس لئے رات دن اپنی اصلاح کی فکر اور کوشش میں لگے رہئے، عمر لحہ بہ لحہ کم ہوتی جارہی ہے، آپ زمین پر چل رہے ہیں لیکن موت آپ کو کشاں کشاں اپنی طرف کھینچ رہی ہے اور نامۂ اعمال لکھنے والے فرشتے آپ کے ہر چھوٹے بڑے کام کو دیکھ رہے ہیں۔

اس لئے آپ اگر اپنی ذات سے محبت رکھتے ہیں تو اس کی فکر کیجئے، اللہ نے جس سے ڈرایا ہے اس سے ڈریئے ﴿ ویحذرکم اللّٰہ نفسه ﴾۔

ترجمہ: اللہ تمہیں اپنے سے ڈراتا ہے۔

چھوٹے گناہ کو بھی حقیر اور معمولی مت سمجھئے، ارشاد ربانی ہے: ﴿فمن یعمل مثقال ذرة خیرا یره ومن یعمل مثقال ذرة شرا یره﴾ ترجمہ: سو جو شخص (دنیا میں) ذرہ برابر نیکی کرے گا وہ اس کو دیکھ لے گا، اور جو شخص ذرہ برابر بدی کرے گا وہ اس کو دیکھ لے گا۔

دوسری جگہ ارشاد ہے: ﴿ما یلفظ من قول إلا لدیه رقیب عتید﴾ ترجمہ: وہ کوئی لفظ منھ سے نہیں نکالنے پاتا مگر اس کے پاس ہی ایک تاک لگانے والا تیار (موجود) ہوتا ہے۔

فرائض کا خاص خیال رکھئے، اللہ کی ناراضگی اور مظلوم کی بددعا سے بچنے کی کوشش کیجئے۔

﴿واتقوا يوماً ترجعون فيه إلى الله﴾ ترجمہ:اور(مسلمانو!)اس دن سے ڈرو جس میں تم (سب)اللہ تعالیٰ کی پیشی میں لائے جاؤ گے۔

والسلام ۔

ایک دوسرے خلیفہ کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں:

میں نے آپ کو اس سے پہلے نصیحت کا ایک خط لکھا تھا، آپ کے ساتھ اللہ کا خاص فضل ہے کہ وہ آپ کے لئے مفید باتیں لکھنے کی مجھے توفیق ارزانی فرمارہا ہے، آپ نے اگر ان باتوں پر عمل کرلیا تو جنت کا راستہ ان شاء اللہ آسان ہوجائے گا، (اللہ ہمیں اور آپ کو اپنی رحمت کے سایہ میں جگہ دیں) میں نے اس سے پہلے ایک بات یہ لکھی تھی کہ آپ اللہ کے احکام کو پورا کیجئے اور دوسری بات یہ تھی کہ رعایا کا پورا خیال رکھئے، اس لئے کہ ہر چھوٹی بڑی رعیت کے بارے میں آپ سے پوچھا جائے گا، نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: "كلكم راع وكلكم مسؤل عن رعيته" (۱) ترجمہ: تم میں سے ہر شخص ذمہ دار ہے اور ہر ایک سے اس کی ذمہ داری کے بارے میں پوچھا جائے گا۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ قیامت کے دن حاکم اور ذمہ دار حکومت کو اس حال میں لایا جائے گا کہ ان کا ہاتھ ان کی گردن سے بندھا ہوگا اور صرف انصاف ہی اس ہاتھ کو چھڑا سکے گا، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ارشاد فرمایا کرتے تھے: خدا کی قسم دریائے فرات کے کنارے اگر کوئی بکری کا بچہ ہلاک ہو جائے تو میں سمجھتا ہوں کہ اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ عمر سے پوچھیں گے۔

---

(۱) امام بخاری نے اس حدیث کو روایت کیا ہے (ص ۸۹۳)۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے دس حج کئے اور مجھے معلوم ہوا ہے کہ ایک حج کا خرچ بارہ دینار سے زیادہ نہیں آتا تھا، درخت کے سایہ میں قیام کرتے ہاتھ میں دُرّہ رکھتے اور بازاروں میں گھوم گھوم کر لوگوں کے حالات دریافت کرتے، مجھے معلوم ہوا ہے کہ جب حضرت عمر مرض کی شدت سے بے تاب تھے اور موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا تھے اس وقت چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کے بارے میں کچھ تعریفی کلمات کہے، حضرت عمر نے فرمایا یقیناً وہ فریب خوردہ ہے جس کو تم فریب میں رکھنا چاہتے ہو، خدا کی قسم اگر روئے زمین پر جو کچھ ہے وہ سب سونا بن جائے تو میں موت و آخرت کی سختیوں سے بچنے کے لئے سب قربان کردوں۔

آپ دیکھئے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جن کو رسول اللہ ﷺ نے جنت کی خوشخبری دنیا ہی میں دے دی تھی، وہ جب مسلمانوں کے معاملات کے سلسلے میں اللہ سے اس درجہ خائف اور لرزاں و ترساں ہیں تو پھر دوسروں کو کس قدر ڈرنا چاہئے اس کا آپ خود اندازہ کرسکتے ہیں، اپنے اسلاف کے طرز عمل کے مطابق آپ بھی نیک اعمال میں اپنے کو مشغول رکھئے جن سے اللہ کی بارگاہ میں تقرب حاصل ہو، اپنے تمام اوقات اور تمام حالات میں تقوی کا دامن مضبوطی سے تھامے رکھیے، نفس کی اصلاح کرتے رہئے (اللہ ہمیں اور آپ کو نیکیوں کی توفیق عطا فرمائیں)، (یہ ساری روایتیں ''مدارک'' سے لی گئی ہیں)۔(۱)

(۱) ''المدارک'' (۱۰۸/۲)۔

امام مالک کا رعب ووقار اور ہیبت وجلال:

امام مالک کو اللہ تعالیٰ نے ایک خاص طرح کا رعب اور جلال عطا فرمایا تھا، آپ کے رعب وجلال کے بے شمار واقعات تواتر کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔

زیاد بن یونس کہتے ہیں: میں نے بڑے بڑے عالموں، عابدوں، شاطروں اور والیوں کو دیکھا ہے لیکن امام مالک سے زیادہ بارعب کسی کو نہیں دیکھا۔

سعید بن مریم کہتے ہیں: میں نے امام مالک سے زیادہ بارعب کسی کو نہیں دیکھا، ان کا رعب دربار شاہی کے رعب وجلال کو مات کرتا تھا۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں: میں کسی سے بھی اس قدر مرعوب نہ ہوتا جس قدر امام مالک کو دیکھ کر مرعوب ہوتا تھا۔

ایک روایت ہے کہ سفیان ثوری ایک مرتبہ مجلس میں بیٹھے تھے، امام مالک کا رعب دیکھا تو یہ شعر کہے۔

يأبى الجواب فلا يراجع هيبةً	فالسائلون نواكس الأذقان
اگر امام مالک جواب نہیں دیتے ہیں تو ہیبت سے پھر پوچھا نہیں جا سکتا تھا۔	پوچھنے والے سر نیچے کئے رہتے ہیں۔
أدب الوقار وعز سلطان التقى	فهو المهيب وليس ذا سلطان
وقار کا ادب اور تقویٰ کا جاہ و جلال دونوں کے وہ جامع ہیں۔	لوگ ان سے ڈرتے ہیں حالانکہ وہ صاحب حکومت نہیں ہیں۔

ابن الحارث کہتے ہیں: امام مالک اپنے مرتبہ علم کا پورا لحاظ رکھتے اور ایسی

باتوں سے بہت دور رہتے جوان کے شایان شان نہ ہوتیں، وہ لوگوں کی نگاہ میں بڑے بارعب اور پُر ہیبت تھے۔(۱)

نور فراست:

امام مالک کو اللہ نے فراست بھی غضب کی عطا فرمائی تھی، فراست در اصل ایک ایسا اندرونی وصف ہے جس سے باتوں کے مغز اور اندرون کا پتہ چل جاتا ہے، امام شافعی بھی بڑے پایہ کے صاحب فراست انسان تھے، ان سے پوچھا گیا کہ نور فراست آپ کو کیسے حاصل ہوا؟ تو انھوں نے فرمایا: اپنے استاد امام مالک سے۔

اسد بن الفرات کہتے ہیں: میں اور میرے ایک ساتھی امام مالک کی خدمت میں ایک عرصہ تک رہے، پھر جب ہم دونوں نے عراق واپس آنا چاہا تو امام مالک سے کچھ نصیحت کی فرمائش کی، انھوں نے میرے ساتھی کی طرف متوجہ ہوکر فرمایا: میں تمھیں قرآن شریف کا خاص خیال رکھنے کی وصیت کرتا ہوں اور مجھ سے فرمایا کہ تمھیں امت مسلمہ کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کی وصیت کرتا ہوں، اسد کہتے ہیں کہ میرے ساتھی اخیر عمر میں عبادت اور تلاوت قرآن میں زیادہ مشغول رہنے والوں میں ہوئے اور میں منصب قضا پر فائز ہوا۔

امام شافعی کہتے ہیں: میں جب مدینہ آیا اور امام مالک سے ملاقات ہوئی تو انھوں نے پہلے میری باتیں سنیں، پھر ایک نظر مجھ کو دیکھا اور نام پوچھا، میں نے اپنا نام ''محمد'' بتایا، فرمایا: محمد! اللہ سے ڈرو اور گناہ سے بچو، تمھارا ایک مقام ہوگا۔

---

(۱) ''المدارک'' (۳۵/۲)۔

امام شافعی کے علاوہ بھی متعدد حضرات نے بیان کیا ہے کہ امام مالک کی فراست کبھی خطا نہیں کرتی تھی ، ایک دن انہوں نے افریقہ کے تین آدمیوں ابن فروخ ، ابن غانم اور بہلول بن راشد کو دیکھا تو ابن غانم کے بارے میں بتایا کہ یہ اپنے شہر کے قاضی معلوم ہوتے ہیں ، بہلول کے بارے میں بتایا کہ یہ اپنے شہر کے سب سے بڑے عابد ہیں اور ابن فروخ کے بارے میں بتایا کہ یہ فقیہ شہر ہیں

اتباع سنت اور بدعات سے نفرت:

امام مالکؒ اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

خیر أمورالدین ماکان سنة	وشر الأمور المحدثات البدائع
سب سے بہترین دین سنت اور سنتوں پر عمل کرنا ہے۔	اور بدترین چیز بدعت اور دین میں نئی باتیں پیدا کرنا ہے۔

امام مالک فرماتے تھے: دین میں جدال کی گنجائش نہیں ہے، علمی جدال و خصام بندہ کے دل سے نور علم کو ختم کر دیتا ہے، اس سے قلب میں قساوت اور دل میں نفرت کے جذبات پیدا ہوتے ہیں، سفیان بن عیینہ کہتے ہیں: ایک شخص نے امام مالک سے پوچھا: اے ابوعبداللہ ! قرآن شریف میں ہے ﴿الرحمٰن علی العرش استویٰ﴾ تو اس ''استواء'' کی کیفیت کیا تھی؟ امام مالک تھوڑی دیر بالکل خاموش رہے، چہرہ پر غصہ کے آثار اس طرح ظاہر ہوئے کہ ہم نے ایسا کبھی نہیں دیکھا تھا پھر فرمایا: الاستواء معلوم ، والکیف منه غیر معقول والسؤال عن هذا بدعة والإیمان به واجب وإنی لأظنك

ضالًا، أخرجوه عني۔ (استواء معلوم ہے، اوراس کی کیفیت سمجھی نہیں جاسکتی، اوراس کے بارے میں سوال کرنا بدعت ہے، اوراس پر ایمان لانا ضروری ہے، اور اے مخاطب میں تم کو گمراہ سمجھتا ہوں، اے لوگو! اس کو میری مجلس سے نکال دو)۔

اس شخص نے کہا: ابوعبداللہ! خدا کی قسم میں نے یہ سوال بصرہ، کوفہ اور عراق کے عالموں سے کیا لیکن سب سے بہتر اور صحیح جواب آپ نے دیا۔

امام مالک کی عبادت وریاضت:

زبیر بن حبیب کہتے ہیں: میں امام مالک کو دیکھتا تھا کہ ہر مہینہ کی پہلی رات عبادت کے لئے خاص رکھتے تھے۔

فاطمہ بنت مالک کہتی ہیں: امام مالک یوں تو ہر رات اپنے معمولات پورے کرتے تھے لیکن جب جمعہ کی رات آتی تو پوری رات عبادت میں گزار دیتے تھے۔

مغیرہ کہتے ہیں: میں ایک رات باہر نکلا، لوگ نیند کے مزے لے رہے تھے امام مالک کے پاس سے گذرا تو دیکھا آپ کھڑے نماز پڑھ رہے ہیں، سورۂ فاتحہ کے بعد ﴿ألهاكم التكاثر﴾ پڑھی اور جب ﴿ثم لتسئلن يومئذ عن النعيم﴾ پر پہونچے تو آپ کی ہچکی بندھ گئی، آپ بار بار اس آیت کو پڑھتے اور روتے رہے، یہاں تک کہ فجر ہوگئی، جب فجر طلوع ہوگئی تو آپ نے رکوع کیا، پھر میں اپنے گھر آ گیا، وضو کیا اور مسجد میں آیا تو دیکھا کہ امام مالک اپنی مجلس میں جلوہ افروز ہیں اور طالبین ومستفیدین کی ایک جماعت آپ سے استفادہ میں مشغول ہے، جب صبح کی سفیدی ظاہر ہوئی تو آپ کے چہرہ پر ایک روشن نور چمکتا نظر آ رہا تھا۔

محمد بن خالد بن عثمہ (۱) کہتے ہیں: میں جب بھی امام مالک کا چہرہ دیکھتا تو آخرت کی یاد آجاتی، جب بولتے تو ایسا لگتا کہ حق آپ کے منہ سے نکل رہا ہے۔

ابو مصعب کہتے ہیں: امام مالک رکوع اور سجدہ بہت طویل کیا کرتے، جب نماز میں کھڑے ہوتے تو خشوع کی یہ کیفیت ہوتی کہ آپ ایک خشک لکڑی کی طرح معلوم ہوتے، جسم میں کچھ بھی حرکت نہ ہوتی، جب آپ کو کوڑے لگائے گئے تھے تو تکلیف کی وجہ سے کسی نے کہا کہ آپ آج کل نماز ذرا ہلکی پڑھ لیا کریں تو امام مالک نے فرمایا: آدمی جب بھی کوئی کام کرے تو بہتر طریقہ سے کرے، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔﴿لیبلوکم أیکم أحسن عملا ﴾(۲)(تاکہ تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں کون شخص عمل میں زیادہ اچھا ہے)۔

ابن مبارک فرماتے ہیں: میں نے امام مالک کو خشوع کے اعلیٰ درجہ پر فائز پایا، اللہ تعالیٰ نے باطن کے بڑے اونچے مقام تک آپ کو پہونچا دیا تھا۔

ورع وتقوی:

کوئی بھی انسان ورع وتقوی کے بغیر کمال کے بام عروج تک نہیں پہونچ سکتا، امام مالک بھی اس وصف میں ممتاز اور ورع وتقوی کے بلند مرتبہ پر فائز تھے۔

امام مالک کے بعض معاصرین کہتے ہیں: میں امام مالک کو اکثر خاموش

---

(۱) ان کے حالات زندگی کے لئے ملاحظہ کیجئے ''الخلاصۃ'' للخزرجی (ص ۳۳۴)۔

(۲) ''سورۃ الملک'' (آیت ۲)۔

دیکھتا، نہ زیادہ بات کرتے، نہ ادھرادھرمتوجہ ہوتے، جب کوئی بات کرتا تواس کی بات غور سے سنتے، پھرمختصر جملوں میں جواب دیتے، ان سےاس کی وجہ پوچھی گئی تو فرمایا: یہی زبان لوگوں کوجہنم تک پہونچادیا کرتی ہے، مجھ کومعلوم ہواہے کہ ایک شخص حضرت ابوبکرصدیق رضی اللہ عنہ کے پاس گیا تو دیکھا کہ وہ اپنی زبان کو ہاتھ میں پکڑے فرمارہے ہیں کہ یہی ہے جو ہلاکت تک پہونچاتی ہے، جب حضرت ابوبکر یہ فرمارہے ہیں تو ہمارا کیا حال ہوگا، بس اللہ ہمیں اپنی رحمت کے سایہ میں لے لیں تو انجام بہتر ہو۔

امام شافعی کہتے ہیں کہ میں نے امام مالک کے دروازہ پرمصر کے عمدہ ترین گھوڑے بندھے دیکھے، میں نے ان گھوڑوں کی تعریف کی تو مجھے ہدیہ میں عنایت فرمادیئے، میں نے کہا: اپنی سواری کے لئے تو ایک گھوڑا رکھ لیجئے، فرمایا: مجھےاس بات سے شرم آتی ہے کہ جوسرزمین قدم نبوی سے مشرف ہوئی ہےاس کو میں جانوروں کے سموں سے روندوں۔

گوشہ نشینی:

امام مالک اپنی زندگی کے اخیرزمانہ میں لوگوں سے بالکل کنارہ کش ہوکر گھر میں فروکش ہوگئے تھے، صرف مسجد تشریف لے جاتے، جمعہ و جنازہ میں شرکت فرماتے اورمریض کی عیادت، دعوت میں شرکت اورمعاشرتی حقوق کوادا کرتے تھے، پھرآہستہ آہستہ مسجد میں بیٹھنا بھی ترک فرمادیا تھا، نماز پڑھ کرگھر واپس آجاتے، پھرمریضوں کی عیادت اور جنازوں میں شرکت بھی متروک

ہوگئی،صرف تعزیت کے لئے لوگوں کے پاس تشریف لے جاتے اوراخیر میں تو ہرطرح کا میل جول اورمسجد میں آنا بھی متروک ہوگیا،تعزیت کے لئے کسی کے پاس جانااورمعاشرتی حقوق ادا کرنا بھی رفتہ رفتہ کم سے کم تر ہوتا گیا، وجہ پوچھی گئی تو فرمایا: ہر شخص اپنا ہرعذر بیان نہیں کرسکتا، ایک روایت میں ہے کہ آپ فرماتے:بعض اعذارنا قابل بیان ہوتے ہیں۔

عتیق بن یعقوب اورمصعب کہتے ہیں کہ وفات سے کچھ پہلے کسی نے مسجد نبوی حاضر نہ ہونے کی وجہ پوچھی تو فرمایا: دنیاوی زندگی کا آخری دن اور اخروی زندگی کا پہلا دن نہ ہوتا تو میں تم کواس کی وجہ نہ بتا تا لیکن اب بس چل چلاؤ ہے، اسی لئے بتارہا ہوں کہ دراصل مجھے سلس البول کی شکایت ہوگئی تھی ،اس لئے اس حالت میں مجھے مسجد نبوی میں حاضر ہونا ادب کے خلاف لگتا تھا،اور میں اپنی بیماری کارونا روکراپنے رب کاشکوہ کرنانہیں چاہتا۔

امام مالک مستجاب الدعاء تھے:

امام مالکؒ مستجاب الدعاء تھے،مطرف کہتے ہیں: میں نے ایک دن دیکھا کہ امام مالک فجر کے بعد بیٹھے دعامیں مشغول ہیں،آپ کا چہرہ کبھی زرد ہوتا اورکبھی سبز، بڑی لمبی دعا فرماتے رہے،اسی اثناء میں ایک مسئلہ پوچھنےوالے نے آکر دعاؤں کا سلسلہ توڑ دیا،آپ نے غصہ میں فرمایا کہ لوگ اس کا بھی خیال نہیں کرتے کہ کون دعاؤں میں مشغول ہے،اورکس کیفیت میں ہے،کبھی دعاء کرنے والے پرایسی کیفیت طاری ہوتی ہے کہ اس سے دعاؤں کی قبولیت کی امید بلکہ

یقین ہو جاتا ہے، لیکن لوگ آ کر اس سلسلہ کو توڑ دیتے ہیں جس سے پھر وہ کیفیت نہیں رہتی۔

امام مالک کے چند حکیمانہ اور بیش قیمت اقوال:

امام مالکؒ فرماتے تھے:

☆ تواضع، دینداری اور پرہیزگاری اختیار کرنے سے حاصل ہوتی ہے، تواضع، ریا و شہرت اور نام و نمود کی خواہش ترک کر دینے کا نام ہے۔

☆ فرماتے تھے: بدترین علم نامانوس روایات کا علم حاصل کرنا ہے اور بہترین علم ان مشہور روایات کا علم ہے جو معتبر لوگوں سے منقول ہے۔

☆ فرماتے تھے: دین و شریعت کی اصطلاح میں حلال کمائی اور آرزوؤں کو مختصر رکھنا زہد کہلاتا ہے۔

☆ فرماتے: دنیا اس کو کہتے ہیں کہ جسم صحت مند ہو اور دل جائز چیزوں سے بہرہ ور ہو،

☆ فرمایا: تواضع تقوی و دینداری میں پائی جاتی ہے، لباس میں نہیں۔

☆ فرمایا: کثرت روایت کا نام علم نہیں ہے، علم تو ایک ایسا نور ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے دل میں ودیعت فرما دیتا ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود سے بھی اس طرح کا کلام منقول ہے۔

☆ فرمایا: علم ایسا نور ہے جو تقوی اور خشوع کی صفت رکھنے والے کے دل میں چمکتا ہے۔

☆ فرمایا: یہ علم کی توہین ہے کہ تم ہر پوچھنے والے کو جواب دو۔

☆ فرمایا: حکمت اس نور کو کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے دل میں ڈالتا ہے۔

☆ فرمایا: عمل سے پہلے علم حاصل کرو، اپنے ایک بھتیجے کو نصیحت فرماتے ہوئے کہا، جب تم علم حاصل کرو تو اس کا اثر تمہارے اوپر ظاہر ہونا چاہئے، اور اس کی نشانی تمہاری پیشانی پر چمکنا چاہئے اور علم کے ساتھ سکون و وقار اور حلم و بردباری کے اوصاف بھی اپنے اندر پیدا کرو۔

☆ فرمایا: طالب علم کے لئے ضروری ہے کہ سکون و وقار اور خشیت الٰہی کے زیور سے آراستہ ہو، اسلاف کی پیروی کرے، اہل علم خصوصاً ذاکرین کے لئے ضروری ہے کہ زیادہ ہنسی مذاق سے احتراز کریں۔

☆ فرمایا: ''قرآن'' اللہ کا ادب، ''سنت'' رسول اللہ ﷺ کا ادب اور ''فقہ'' صالحین کا ادب ہے۔

☆ سفیان فرماتے ہیں: میں امام مالک کے پاس گیا اثنائے گفتگو میں نے کہا کہ علم کا سمندر تو ناپیدا کنار ہے، تو امام مالک نے فرمایا: علم ایسا درخت ہے جس کی جڑ مکہ میں، شاخیں مدینہ میں، پتے عراق میں اور پھل خراسان میں ہیں۔

☆ فرمایا: عالم کے آداب میں سے یہ ہے کہ وہ صرف تبسم پر اکتفاء کرے، قہقہہ لگا کر ہنسنا ایک عالم کی شان نہیں ہے۔

☆ فرمایا: زیادہ بولنا علمی شان کو گھٹاتا ہے۔

☆ فرمایا: علم کے سلسلہ میں لوگ تین طرح کے ہیں۔

(۱) ایسا شخص جس نے علم حاصل کیا اور اس پر عمل بھی کیا، اس کی مثال قرآن میں یوں بیان کی گئی ہے۔

﴿إنما يخشى الله من عباده العلماء﴾(۱) خدا سے اس کے وہی بندے ڈرتے ہیں جو (اس کی عظمت کا) علم رکھتے ہیں۔

(۲) ایسا شخص جس نے علم حاصل کیا، لیکن دوسرے کو نہیں سکھایا، ان کے بارے میں قرآن میں ہے۔

﴿إن الذين يكتمون ما أنزلنا من البينات والهدى﴾ (۲) جو لوگ اخفا کرتے ہیں ان مضامین کا جن کو ہم نے نازل کیا ہے جو کہ اپنی ذات میں واضح ہیں اور دوسروں کے لئے ہادی ہیں۔

(۳) ایسا شخص جس نے علم حاصل کیا، دوسروں کو سکھایا لیکن خود اس پر عمل نہیں کیا، ان کے بارے میں قرآن میں ہے۔ ﴿إن هم إلا كالأنعام﴾ (۳) یہ تو محض چوپایوں کی طرح ہیں (کہ بات کو نہ سنتے ہیں نہ سمجھتے ہیں)۔

☆ مطرف کہتے ہیں: امام مالک سے جب کوئی طالب علم رخصت ہوتے وقت ملنے آتا تو آپ اس سے فرماتے کہ علم کے بارے میں اللہ سے ڈرو اور اس

---

(۱) ''سورہ فاطر'' (آیت ۲۸)۔ (۲) ''سورۃ البقرۃ'' (آیت ۱۵۹)۔

(۳) ''سورۃ الفرقان'' (آیت ۴۴)۔

علم کو ضائع نہ ہونے دینا، اس کو خوب پھیلاؤ اور چھپا کر مت رکھو، اور یاد رکھو کہ علم کا مقام بلند فقر کی منزل سے گذرے بغیر حاصل نہیں ہوا کرتا۔

☆ ابن المبارک فرماتے ہیں کہ میں نے امام مالک کو فرماتے ہوئے سنا کہ انسان کی اصلاح اس وقت تک نہیں ہوتی جب تک وہ لایعنی باتوں سے احتراز نہ کرے، جب لایعنی باتوں سے احتراز کرنا شروع کر دے تو سمجھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے دل میں علم کا فیضان ہونے والا ہے۔

☆ ابن وہب کہتے ہیں کہ میں نے امام مالک کو فرماتے ہوئے سنا کہ زہد اختیار کرنے والے کی زبان پر اللہ تعالیٰ حکمت جاری فرما دیتے ہیں۔

☆ فرماتے: جو نیکی کی نیت کرے گا اللہ اس کے اسباب مہیا فرما دیں گے، اور جو برائی کی نیت رکھے گا اللہ برائی کے اسباب فراہم کر دیں گے۔

☆ فرماتے: اللہ جس کے بارے میں خیر کا ارادہ فرماتے ہیں اس کو سکون قلب کی دولت عطا فرما دیتے ہیں اور سکون قلب اللہ کی بڑی نعمت ہے، انتشار خاطر انسان کے لئے بڑی مصیبت ہے۔

☆ فرمایا: خیر کی توفیق حاصل ہو جانا انسان کے لئے سعادت کی بات ہے، اور اس سے محروم رہنا شقاوت کی علامت ہے۔

☆ فرمایا: خود ستائی انسان کے چہرۂ کمال کا بدنما داغ ہے۔(۱)

---

(۱) ''المدارک''

امام مالک کی وفات:

حافظ سیوطی اور حافظ زرقانی کے بقول امام مالک اتوار کے روز بیمار ہوئے اور بائیس دنوں تک بیماری کا سلسلہ جاری رہا اور اتوار ۱۰ر یا ۱۴ر ربیع الاول ۱۷۹ھ کو وفات پائی۔

سحنون عبداللہ ابن نافع سے روایت کرتے ہیں کہ امام مالک کی وفات ۸۷ر برس کی عمر میں ہوئی، واقدی کے بقول امام مالک نے ۹۰ سال کی عمر پائی، ''تذکرۃ'' میں ابومصعب سے ۱۰ر ربیع الاول کا قول منقول ہے، ابن وھب کا بھی یہی قول ہے، ابن سحنون نے ۱۱ر ربیع الاول کا قول نقل کیا ہے، ابن ابی اویس ۱۴ر ربیع الاول کی صبح ذکر کرتے ہیں، مصعب زبیری ماہ ربیع الاول کے بجائے صفر کا تذکرہ کرتے ہیں، البتہ ۱۷۹ھ سن وفات سب کے نزدیک متفق علیہ ہے۔

ابن فرحون کہتے ہیں کہ امام مالک کی تاریخ وفات میں اختلاف ہے، بیمار ہونے کے بائیس دن بعد اتوار کے روز ماہ ربیع الاول ۱۷۹ھ میں وفات ہوئی، لیکن ربیع الاول کی تاریخ کیا تھی؟ اس سلسلہ میں ۱۰/۱۴/۱۳/۱۱ر ربیع الاول اور ایک قول ۱۲ر رجب کا بھی منقول ہے، امام مالک کے کاتب ابن حبیب کا ایک قول ۱۸۰ھ اور ابن سحنون سے ایک روایت ۱۹۸ھ کی منقول ہے جو غلط ہے۔

بکر بن سلیمان صواف کہتے ہیں کہ ہم لوگ انتقال کی رات امام مالک کے پاس تھے، ہم نے امام مالک سے ان کی کیفیت پوچھی تو فرمایا: ''کیا بتاؤں؟ تم لوگ بھی کل اللہ کے عفو و کرم کا ایسا مشاہدہ کروگے جو وہم و گمان میں بھی نہیں آسکتا''، پھر

ہم لوگوں کے سامنے ہی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی، ایک روایت ہے کہ امام مالک نے اخیر میں کلمۂ شہادت ادا کیا پھر پڑھا﴿لله الأمر من قبل ومن بعد﴾۔

جس رات امام مالک کی وفات ہوئی اس رات عمر بن یحیٰ بن سعید نے خواب میں ایک شخص کو یہ پڑھتے ہوئے سنا:

لقد أصبح الاسلام زعزع ركنه	غداة ثوى الهادي لدى ملحد القبر
اسلام کے ستون ہل گئے	جس صبح کو رہنما قبر میں آسودہ ہوا
إمام الهدى ما زال للعلم صائنا	عليه سلام الله فى آخر الدهر
وہ ہدایت کا پیشوا اور علم کا ہمیشہ محافظ رہا	اس پر تا قیامت خدا کا سلام ہو

عمر بن یحیٰ بن سعید کہتے ہیں کہ میں اس وقت بیدار ہوا اور دونوں شعر چراغ کی روشنی میں لکھ لئے، اسی وقت امام مالک کے انتقال کی خبر دی جا رہی تھی، (رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ) ابن کنانہ بن ابی الزبیر نے آپ کو غسل دیا، آپ کے صاحبزادے یحیٰ اور کاتب حبیب پانی ڈال رہے تھے، ایک جماعت نے آپ کو قبر میں اُتارا، سفید کپڑوں میں کفنائے جانے کی آپ نے پہلے ہی وصیت فرما دی تھی، اور عام جگہ میں نماز پڑھنے کی بھی وصیت فرمائی تھی، بقیع میں مدفون ہوئے، آپ کی قبر زیارت گاہ خلائق ہے۔(۱)

امام مالک کا حلیہ:

مطرف بن عبداللہ وغیرہ کے قول کے مطابق امام مالک کا قد بالا، بدن بھاری، سر بڑا اور بالوں سے قدرۃً خالی، داڑھی کے بال سفید اور نہایت گورے

(۱)"الدیباج المذھب" (۱/۲۸، ۲۹)۔

اور زردی مائل تھے، مصعب زبیری کہتے ہیں: امام مالک انتہائی حسین اور خوبرو تھے، آنکھیں کشادہ اور رسیلی تھیں، رنگ سفید تھا، قد بلند و بالا تھا، ایک روایت درمیانی قد کی بھی ہے، لیکن قد بالا زیادہ مشہور ہے، ناک اونچی اور داڑھی بہت گھنی تھی، جو سینے تک پہونچتی تھی، مونچھوں کو بہت چھوٹی نہیں کرتے تھے، اور مونڈنے کو مکروہ سمجھتے تھے، مونچھوں میں دو لمبی دھاری رہنے دیتے، کان بڑے تھے، جیسے انسان کی ہتھیلی یا اس سے کچھ ہی کم ہو۔

حکم عبداللہ کہتے ہیں: امام مالک بالوں میں مانگ نکالتے تھے، احمد بن ابراہیم کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ آپ کے بال ایک دوسرے میں پیوست ہیں، خضاب کا استعمال نہیں کرتے تھے، لیکن ابن وھب کی روایت ہے کہ انہوں نے سر میں خضاب استعمال کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

واقدی کہتے ہیں: امام مالک نے ۹۰/سال کی عمر پائی لیکن اپنے سفید بالوں میں خضاب نہیں لگایا اور نہ کبھی حمام میں داخل ہوئے، ایک روایت میں ہے کہ سر کے پچھلے حصہ کو کبھی نہیں مونڈا (زرقانی اور ابن فرحون کا بھی یہی قول ہے)۔(۱)

امام مالک کا لباس:

حافظ ذہبی ''تذکرہ'' میں لکھتے ہیں کہ امام مالک جب عمامہ باندھتے تو شملہ گلے میں لپیٹ کر دونوں شانوں کے درمیان ڈال لیتے تھے، عدن کے بنے ہوئے بیش قیمت اور عمدہ لباس زیب تن فرماتے۔(۲)

---

(۱) ''شرح الزرقانی'' (۴/۱)۔ ''الدیباج المذھب'' (ص ۱۸)۔ (۲) ''تذکرۃ الحفاظ'' (۱/۲۰۸)۔

ابن فرحون ابن وھب سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے امام مالک کے جسم پر عدن کا بنا ہوا ہلکے رنگ کا لباس دیکھا، اس موقع پر امام مالک نے فرمایا بھی کہ یہ رنگ مجھے اچھا لگتا ہے، لیکن گھر والوں نے زعفران زیادہ کر دیا، اس لئے چھوڑ دیا، زبیری کہتے ہیں: امام مالک عدن، خراسان اور مصر کے بنے ہوئے عمدہ کپڑے استعمال کرتے تھے اور خوشبو لگاتے تھے، اور فرماتے تھے کہ اللہ نے جس کو نعمت دی ہو اس کا اثر اس پر ظاہر ہونا چاہئے، فرماتے تھے کہ طالب علم کو سفید کپڑے استعمال کرنے چاہئیں۔

بشر کہتے ہیں کہ میں امام مالک کے پاس گیا، اس وقت ان کے جسم پر پانچ سو دینار کی شاہانہ انداز کی چادر تھی، امام مالک کے پاس کسی درویش نے خط میں لکھ کر بھیجا کہ آپ بہت نرم اور نفیس کپڑے استعمال کرتے ہیں، عمدہ قسم کی چپاتیاں کھاتے ہیں، بیش قیمت قالین پر بیٹھتے ہیں، دروازہ پر حاجب رکھتے ہیں، تو جواب میں امام مالک نے کہا کہ آپ کے ناصحانہ، مشفقانہ مکتوب کا بڑا اثر ہوا، مزید لکھا کہ آپ نے جو یہ لکھا ہے کہ میں ''نرم نفیس کپڑے......'' تو ہم ایسا کر کے اللہ سے استغفار کرتے ہیں، اور ایسا اس لئے کرتے ہیں کہ اللہ ہی نے فرمایا ہے۔

﴿قل من حرم زينة الله التى أخرج لعباده والطيبات من الرزق قل هي للذين آمنوافي الحيٰوةالدنياخالصةيوم القيامة﴾ ۔ (۱)

---

(۱)" سورۃ الأعراف" (آیت ۳۲)۔

(آپ ﷺ فرمادیجئے کہ (یہ بتلاؤ) اللہ تعالیٰ کے پیدا کئے ہوئے کپڑوں کو جو اس نے اپنے بندوں کے (استعمال کے) واسطے بنائے ہیں، اور کھانے پینے کی حلال چیزوں کو (جن کو اللہ نے حلال کردیا ہے) کس شخص نے حرام کیا ہے، آپ ان سے یہ کہہ دیجئے کہ یہ اشیاء اس طور پر کہ قیامت کے روز خالص رہے دنیوی زندگی میں خاص اہل ایمان ہی کے لئے ہیں)۔

مجھے یہ معلوم ہے کہ ان چیزوں کا ترک، استعمال کرنے سے بہتر ہے۔

امام مالک کی اولاد:

امام مالک کے دولڑکے تھے، یحییٰ اور محمد اور ایک لڑکی فاطمہ تھی، جس کا نکاح اپنے بھانجے سے کردیا تھا، ابوعمر کہتے ہیں کہ امام مالک کی چار اولاد تھی، یحیٰ، محمد، حماد اور ام البنین، یحیٰ بن مالک اپنے والد سے ''موطأ'' کا ایک نسخہ بھی روایت کرتے ہیں، امام مالک کے دوسرے لڑکے محمد نے مصر کا سفر کیا تھا، حارث ابن مسکین ان سے روایت کرتے ہیں۔

زبیری کہتے ہیں کہ امام مالک کی ایک بیٹی امام مالک کے علوم یعنی ''موطأ'' کی حافظہ تھیں، وہ دروازے کے پیچھے کھڑی رہتیں، جب قاری سے ذرا بھی غلطی ہوتی تو یہ دروازہ بجاتی تھیں، امام مالک سمجھ جاتے اور قاری کو لقمہ دیتے۔(۱)

---

(۱) ''الدیباج المذھب'' (۱/۱۸)۔

امام مالک کے زمانے میں حدیث وفقہ کا حال:

امام مالک کے زمانے میں علم حدیث اور علم فقہ دو الگ الگ علوم نہیں تھے، بلکہ دونوں کا ایک دوسرے سے گہرا تعلق تھا، ایک فقیہ اپنی مستدل حدیثوں کو روایت کرنے کی وجہ سے محدث ہوتا تھا اور ان احادیث سے مسائل استنباط کرنے کی وجہ سے فقیہ بھی کہلاتا تھا، بس فرق یہ تھا کہ بعض فقہاء پر روایت غالب ہوتی اور بعض پر فقہ وافتا، اور یہیں سے علم فقہ علم حدیث سے باضابطہ الگ ہونے لگا، اور بعد میں یہ اصطلاح قرار پائی کہ جو قرآن و حدیث سے احکام مستنبط کرے وہ فقیہ ہے، اور جو صرف روایت کرے، احادیث کی صحت وسقم اور رجال سے بحث کرے وہ محدث ہے۔

امام مالک کے زمانے میں علم حدیث وفقہ مکمل طریقہ پر ایک دوسرے سے ممتاز اور علیٰحدہ نہیں ہوئے تھے، فقیہ ہی محدث ہوتا، لیکن امام مالک کو حدیث وفقہ دونوں علم میں جس درجہ کمال اور اِتقان حاصل تھا شاید ہی امام مالک کے زمانہ کا کوئی عالم اس وصف میں امام کا ہم رتبہ ہو، چنانچہ آپ دیکھیں گے کہ امام مالک ایک طرف حافظ اور محدث ہیں، احادیث کے ردوقبول کے لئے راویوں کے فرق مراتب کے لحاظ کرنے کی ضرورت کا سب سے پہلے آپ ہی کو احساس ہوتا ہے، ایک ماہر ناقد حدیث کی حیثیت سے احادیث پر نظر ڈالتے ہیں اور اسی کے ساتھ فقہ وافتاء میں امام دارالھجر ۃ کے لقب سے سرفراز ہیں، مختلف مسائل میں فقہی احکام معلوم کرنے کی غرض سے دور دراز سے سفر کر کر کے لوگ آپ کی خدمت میں پہونچتے اور احکام معلوم کرتے ہیں۔

حدیث میں امام مالک کی احتیاط:

امام شافعی فرماتے ہیں کہ جب حدیث کی بات آئے تو امام مالک روشن تارہ ہیں، سیوطی کہتے ہیں کہ بعض علماء نے فرمایا کہ امام بخاری امام مالک کی حدیث کے برابر کسی کی حدیث کو نہیں سمجھتے تھے، آپ امام مالک کی سند کو اصح الأسانید قرار دیتے تھے،(۱) وہ سند یہ ہے'' مالك عن الزناد عن الأعرج عن أبی هريرة رضي الله عنه''۔

ابن حبان ''کتاب الثقات'' میں لکھتے ہیں کہ فقہاء مدینہ میں سب سے پہلے امام مالک نے رجال پر تنقید کی داغ بیل ڈالی، امام مالک صرف صحیح حدیثوں کی روایت کرتے ہیں اور ایسے ثقات سے روایت کرتے ہیں جو ثقہ، دیندار اور فضل وعبادت میں بھی ممتاز ہوں، امام شافعی نے بھی اس اصول کو اختیار کیا ہے، ابن خزیمہ اپنی ''صحیح'' میں ابن عیینہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: ہم کیا ہیں؟ ہم تو امام مالک کی پیروی کرتے ہیں، امام مالک نے جن لوگوں کی روایت لی ہے ہم بھی ان سے روایت لیتے ہیں ورنہ ترک کردیتے ہیں۔

عبدالرحمان بن مہدی کہتے ہیں: روئے زمین پر رسول اللہ ﷺ کی حدیثوں کا امانتدار امام مالک سے بڑھ کر کوئی نہیں ہے، اور میں صحت حدیث میں ان پر کسی کو ترجیح نہیں دیتا ہوں۔

امام مالک فرماتے تھے کہ چار طرح کے آدمیوں سے علم حاصل نہیں کرنا

---

(۱) ''تنویر الحوالک'' (ص ۷)۔

چاہئے،(۱) غیر فقیہ (سفیہ) سے، اور نہ ایسے مبتدع سے جو اپنی بدعات کا داعی بھی ہو، اور نہ ایسے کذاب سے جو لوگوں سے جھوٹ بولتا ہو، اگر چہ وہ رسول اللہ ﷺ کی حدیثوں میں جھوٹ نہیں بولتا ہو، اور نہ ہی ایسے شخص سے جو تقوی و طہارت اور عبادت و اطاعت میں ممتاز ہو، لیکن باتوں کے مغز کو نہیں سمجھتا ہو۔

فرماتے تھے کہ یہ علم بھی دین ہے، اس لئے ضرور دیکھ لیا کرو کہ کس سے حاصل کر رہے ہو، میں نے اس مسجد نبوی کے صحن میں ان ستونوں کے پاس ستر شیوخ کو پایا جو "قال رسول الله" کہا کرتے تھے، لیکن میں نے ان سے حدیث حاصل نہیں کی، جبکہ ان میں سے ہر شخص ایسا تھا کہ اگر ایک خزانہ بھی ان کے سپرد کر دیا جاتا تو ان کی ایمانداری اور دیانت کے شیشہ میں بال نہ آتا، لیکن وہ اس فن کے آدمی نہ تھے۔(۲)

اسی طرح امام مالک یہ بھی فرماتے تھے کہ مدینہ میں کتنے مقدس اور برگزیدہ اور اصحاب فضل وصلاح تھے، وہ حدیث روایت بھی کرتے تھے لیکن میں نے ان میں سے کسی سے استفادہ نہیں کیا، لوگوں نے وجہ پوچھی تو بتایا کہ وہ یہ جانتے ہی نہیں تھے کہ کیا بیان کر رہے ہیں، کیونکہ حدیث و روایت اور فتوی کا کام صرف زہد و تقوی اور سادگی سے نہیں چل سکتا، اس کے لئے تقوی و پرہیز گاری کے ساتھ علم وفہم اور پختگی کی ضرورت ہے، روایت کرنے والا سمجھتا ہو کہ اس کے منہ سے کیا نکل رہا ہے، جس زہد کے ساتھ پختگی اور دانائی نہ ہو وہ اس راہ میں مفید نہیں اور نہ وہ حجت ہے، اور نہ ایسے لوگوں سے اخذ علم کرنا چاہئے۔

---

(۱) دیکھئے "الکفایۃ فی فنون الروایۃ" (ص۱۸۹)۔ (۲) "المدارک" (۱/۱۳۶)۔

فقہ مالکی:

امام مالک کی فقہ مدینہ کے مشہور فقہائے سبعہ کی بنیادوں پر قائم ہے، وہ سات فقہاء یہ ہیں:

سعید بن المسیب (۱) سلیمان بن یسار (۲)، عبداللہ بن عتبہ (۳)، ابوبکر بن الحارث (۴)، خارجہ بن زید (۵)، قاسم بن محمد بن ابی بکر (۶)، عروہ بن الزبیر (۷)۔

مذکورہ بالا سات فقہاء کے علاوہ حضرت سالم بن عبداللہ بن عمر (۸) سے

---

(۱) آپ کا پورا نام ہے: سعید بن المسیب بن حزن مخزومی ابومحمد مدنی، تابعین کے امام اور سردار ہیں، حضرت عمر کی خلافت کے دو یا چار سال گذرنے کے بعد پیدا ہوئے، آپ اپنے زمانہ میں مدینہ کے تمام باشندوں کے پیشوا اور امام تھے، فقہ و فتاوی میں نہ صرف ممتاز بلکہ فقیہ الفقہاء یعنی فقہا میں سب سے بڑھ کر تھے، یحیٰ بن سعید کہتے ہیں: حضرت عمرؓ کے احکام اور فیصلوں کو سب سے زیادہ یاد رکھنے والے تھے، اسی لئے ان کا لقب ''راویۃ عمر'' (حضرت عمر کے فیصلوں کے راوی) پڑ گیا تھا، ۹۴ھ یا ۹۳ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ (طبقات الحفاظ ص ۱۷)

(۲) ابوایوب سلیمان بن یسار آپ کا پورا نام ہے، آپ بھی مدینہ کے بڑے علماء وفقہا اور صلحاء میں سے تھے، کثیر الحدیث ہیں، ۹۴ھ میں آپ نے انتقال فرمایا۔ (طبقات الحفاظ ص ۳۵)

(۳) عبداللہ بن عتبہ بن مسعود الہذلی آپ کا پورا نام ہے، مدینہ میں آپ کی روایت ودرایت کی دھوم تھی، آپ بھی ''کثیر الحدیث والفتوی'' تھے، ۹۴ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔ (شذرات الذہب ۱/۸۲)

(۴) آپ کا پورا نام ہے: ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن الحارث مخزومی، اپنی عبادت وریاضت اور تقوی وطہارت کی وجہ سے ''راہب قریش'' (قریش کے سب سے بڑے عبادت گذار) کے لقب سے آپ جانے جاتے تھے، جنگ جمل کے موقعہ پر صغرسنی کی وجہ سے آپ کو میدان جہاد سے واپس کر دیا گیا تھا، آپ کے ساتھ عروہ بھی واپس کئے گئے تھے، آپ کے والد صحابی تھے، ۹۴ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔ (شذرات الذہب ۱/۱۰۴)

(۵) خارجہ بن زید بن ثابت انصاری ابوزید مدنی آپ کا پورا نام ہے، مدینہ کے سات مشہور فقہاء میں آپ کا شمار ہے، ۹۹ھ میں آپ نے انتقال فرمایا۔ (طبقات الحفاظ ص ۳۵)

(۶) آپ کا پورا نام ہے قاسم بن محمد بن ابوبکر صدیق، کنیت ابومحمد یا ابوعبدالرحمٰن مدنی ہے، ستر سال کی عمر میں ۱۰۱ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔ (طبقات الحفاظ ص ۳۵)

(۷) آپ کا پورا نام ہے: ابومحمد عروہ بن الزبیر بن العوام اُسدی مدنی، آپ پایہ کے فقیہ اور حافظ تھے، علم، سرداری اور عبادت کے جامع تھے، ۲۹ھ میں آپ کی ولادت ہوئی اور ۹۴ھ میں وفات ہوئی۔ (شذرات الذہب ۱/۱۰۴)

(۸) سالم بن عبداللہ بن عمر بن الخطاب مدنی، مدینہ کے بڑے فقہاء میں سے ہیں، ۱۰۶ھ آپ کی سن وفات ہے۔ (طبقات الحفاظ ص ۳۳)

بھی آپ نے فقہ حاصل کی تھی۔

یہ فقہائے مدینہ دراصل خلفائے راشدین، ام المومنین حضرت عائشہ اور ام المومنین حضرت ام سلمہ، زید بن ثابت، عبداللہ بن مسعود، ابو ہریرہ، عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم وغیرہم کے مدرسۂ علم وفقہ کے ساختہ پرداختہ ہیں، لیکن ان فقہائے سبعہ پر سب سے زیادہ اثر حضرت عبداللہ بن عمر کا ہے، حضرت ابن عمر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہمیشہ غزوات میں شریک رہے، بڑے بڑے صحابہ کے ساتھ رہے، رسول اللہ ﷺ کی حدیثوں کو بہت زیادہ محفوظ رکھتے اور آپ ﷺ کے آثار وسنن کا بہت خیال رکھتے۔

ام المومنین حضرت عائشہؓ فرماتی تھیں کہ عبداللہ بن عمر سے بڑھ کر امر اول کا التزام کرنے والا کسی کو نہیں دیکھا، حضرت نافع کہا کرتے تھے کہ عبداللہ بن عمر کو آثار رسول کی اتباع کرتے دیکھو تو ان کو ''مجنون''، یعنی نبی کی محبت میں معمولی سے معمولی ادا کی تقلید میں جنون کی حد تک پہونچا ہوا سمجھو، زہری کہتے ہیں کہ ابن عمر کی رائے کے برابر کسی کی رائے نہیں ہوسکتی، رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد ساٹھ سال تک لوگوں کے وفود آپ کی خدمت میں استفادہ کے لئے آتے رہے، آپ نے ۷۳ھ میں انتقال فرمایا۔

عروہ بن زبیر کہتے ہیں کہ عبداللہ بن عمر سے ایک مسئلہ پوچھا گیا تو انہوں نے لاعلمی ظاہر کی اور صاف فرمایا کہ مجھے معلوم نہیں ہے، جب سائل جانے لگا تو عبداللہ نے فرمایا: ابن عمر سے ایک ایسا مسئلہ پوچھا گیا جو اس کو معلوم نہیں تھا تو صاف کہہ دیا کہ معلوم نہیں ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عمر کے اس طریقہ کو بعد کے ائمہ اور علماء نے بھی خوب اپنایا، امام مالک بھی بہت سارے مسائل میں احتیاط کے پیش نظر ''لا ادری'' (مجھے معلوم نہیں ہے) فرمادیا کرتے تھے، امام مالک صرف پیش آمدہ واقعات میں اجتہاد کرتے تھے، فرضی واقعات کے بارے میں فتوی نہیں دیتے تھے، ایسی بدعتوں کو سخت ناپسند کرتے جن کے بارے میں کوئی تائیدی قول نہ ہو، فرمایا کرتے تھے کہ عالم کو ایسا ہی ہونا چاہئے، اس کو اس قدر احتیاط برتنا چاہئے کہ اس پر کوئی گناہ آخرت میں ثابت نہ ہو، ایک عالم کو چاہئے کہ لوگوں کو آسانی اور سہولت کی راہ پر چلائے، مغرب سے کوئی آتا اور کہتا کہ ہمارے ملک میں بدعات کا زور ہے، میں آپ کے پاس یہ عہد کرنے آیا ہوں کہ جو آپ فرمائیں گے اس پر پورا عمل کروں گا تو امام مالک ایسے شخص کو اسلام کے فرائض نماز، روزہ، زکوۃ کی طرف توجہ دلاتے اور پھر فرماتے: بس ان پر عمل کرو، اور کسی سے مخاصمت نہ کرو، امام مالک رسول اللہ ﷺ کے اس قول پر عمل کرتے۔

''إذا صلى أحدكم بالناس فليخفف فإن فيهم الضعيف والسقيم والكبير و إذا صلى لنفسه فليطول ما شاء''۔(جب تم میں سے کوئی شخص لوگوں کو نماز پڑھائے تو چاہئے کہ وہ ہلکی نماز پڑھائے کیونکہ ان میں کمزور، بیمار اور بوڑھے لوگ ہوتے ہیں، اور جب تنہا نماز پڑھے تو جتنی چاہے لمبی پڑھے)۔

اس طرح لوگوں کو سچائی کی تلقین فرماتے اور یہ حدیث نبوی سناتے،

''من شرالناس ذوالوجهين الذي ياتى هٰولاء بوجه و هٰولاء بوجه''۔ (بدترین انسان وہ ہے جو دورخاپن اختیار کرتا ہو)۔

امام مالک احادیث کوخوب پرکھتے تھے، مرسل احادیث کو اس وقت قبول فرماتے جب ان کے مؤیدات وشواہد موجود ہوں، اصل قطعی کے ذریعہ قیاس کو خبر واحد پر ترجیح دیتے تھے، آپ کا کہنا تھا کہ ایک شخص علم وفضل کے جس مرتبہ تک بھی پہونچ جائے اس کی تنہا روایت کو قابل اتباع اور سنت نہیں قرار دیا جا سکتا ہے، اور نہ ہی مختلف علاقوں میں اس کو رائج کیا جانا چاہئے، ایک مرتبہ امام مالک سے دریافت کیا گیا کہ سفیان بن عیینہ کے پاس ایسی حدیثیں ہیں جو آپ کے پاس نہیں ہیں، انہوں نے فرمایا: اگر میں ہر سنی ہوئی حدیث روایت کرنے لگوں تو احمق ہی تو ہوں گا، امام مالک سے جب کہا جاتا کہ یہ حدیث دوسرے شیوخ سے مروی نہیں ہے تو اس حدیث کو روایت کرنا چھوڑ دیتے، اسی طرح کوئی اگر بتاتا کہ آپ کی اس حدیث سے اہل بدع احتجاج کرتے ہیں اور اپنی بدعت کو رواج دیتے ہیں تو بھی اس حدیث کو روایت کرنا ترک فرمادیتے، اسی لئے آپ کی متروکات میں بہت سی ایسی حدیثیں ملیں جو عمر بھر آپ نے کسی سے بیان نہیں کی۔

امام مالک کے نزدیک نصوص پر عمل کرنے کی دو وجہیں تھیں۔

۱۔ ایک یہ کہ ائمہ صحابہ کرام کا قول ان نصوص کے مطابق ہو، اور اس کے بارے میں امام مالک ''عليه العمل عندنا'' (اسی پر ہمارا عمل ہے) فرماتے ہیں۔

۲۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ ان نصوص کے بارے میں لوگوں میں کوئی اختلاف نہ ہو،

اور اس کے بارے میں ''هٰذا الأمر مجمع علينا'' (یہ ہمارے نزدیک متفق علیہ ہے) فرماتے ہیں۔

اور اگر ان کے بارے میں ائمہ صحابہ کرام کا قول نہ ہوتا اور لوگوں کا اس سلسلہ میں اختلاف ہوتا تو امام مالک کے یہاں نصوص رد کر دیئے جاتے۔

فرماتے ہیں کہ میں نے قاضی محمد بن ابی بکر بن حزم (۱) کو دیکھا ہے، ان کے بھائی کثیر الحدیث اور سچے آدمی تھے، میں نے عبداللہ (۲) کو سنا کہ جب وہ کوئی فیصلہ فرماتے اور حدیث اس فیصلہ کی مخالف ہوتی تو امام مالک ان کو عتاب کرتے اور کہتے کہ کیا اس سلسلہ میں اس طرح کی روایت نہیں ہے؟ تو فرماتے: روایت تو ہے، تو ارشاد فرماتے: پھر اس کے مطابق فیصلہ کیوں نہیں کرتے تو جواب دیتے کہ جمہور اس پر کہاں ہیں؟ (مطلب یہ ہوتا کہ جس حدیث پر صلحاء مدینہ کا اتفاق ہو اس پر عمل کرنا زیادہ بہتر ہے)۔ (۳)

اور یہی طریقہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کا بھی تھا، آپ کا بھی معمول تھا کہ مدینہ کے فقہاء کو بلاتے اور ان سے سنن و فتاوی اور فیصلے دریافت کرکے اس کے مطابق عمل کرتے اور جس صورت پر لوگوں کا عمل نہ ہوتا اس کو چھوڑ دیتے، خود

---

(۱) ان کا پورا نام ہے: محمد بن أبی بکر بن محمد بن عمرو بن حزم نجاری ابو عبداللہ، آپ مدینہ کے قاضی تھے، ۱۳۲ھ میں وفات ہوئی ''خلاصة الخزرجی'' (ص ۲۸۰)

(۲) ان کا پورا نام ہے: عبداللہ بن أبی بکر بن حزم أبو عبداللہ (متوفی ۱۳۵)

(۳) ''المدارک'' (۱/۴۵)۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے زمانہ کے قاضی حضرت ابوالدرداء سے پوچھا جاتا تھا کہ آپ کی رائے کے برخلاف ہمیں تو اس اس طرح کی روایتیں معلوم ہیں تو جواب دیتے کہ سنا تو میں نے بھی ہے لیکن عمل اس کے خلاف پاتا ہوں۔

اسی طرح امام مالک پورے چالیس سال تک اپنے قواعد کے مطابق احادیث پرکھتے رہے، احادیث کے ناسخ ومنسوخ کو بھی آپ نے باضابطہ منضبط کردیا، قرآن کے نصوص و اصول کے خلاف روایتوں کو مستبعد سمجھ کر رد کرتے رہے، جس کے نتیجے میں احادیث کی ایک یقینی اور قطعی مقدار منتخب کرکے اپنی کتاب ''موطأ'' میں جمع کردی، اس میں احادیث واخبار اور صحابہ وتابعین کے آثار اور اہل مدینہ کا علم اور عمل سب کو یکجا کردیا، امام مالک کی ترجیحات اور ان کی آراء سے بھی یہ کتاب آراستہ ہے، یہی وجہ ہے کہ سنت کے بیان میں ''موطأ'' اعلی درجہ کی اہم کتاب قرار پائی۔

امام مالک فرماتے ہیں: کتاب میں اکثر جگہوں پر میری رائے ہے، لیکن بخدا وہ میری ذاتی رائے نہیں ہے بلکہ ایک سے زیادہ اہل علم وفضل اور قابل اتباع اور لائق تقلید ائمہ سے سنی ہوئی رائے ہے، میں نے انہی سے کسب فیض کیا ہے، یہ حضرات تقوی وطہارت کے اعلی درجہ پر فائز تھے، میں نے غور کیا کہ ان حضرات نے صحابہ کرام کو دیکھ کر ہی یہ رائے قائم کی ہے، اور خود میں نے بھی ان حضرات کو اس رائے پر پایا تو مجھے یہ رائے اختیار کرنے میں کیا امر مانع ہے؟ یہ تو قرناً بعد قرن وراثت موروثہ ہے۔

اس طرح اس کتاب میں جہاں کہیں کوئی ایک رائے ہے تو وہ ائمہ متقدمین کی ایک جماعت کی رائے ہے اور جہاں کہیں اجماعی رائے ہے وہ اصحاب علم کی ایسی رائے ہے جس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے، میں نے جہاں کہیں (الأمر عندنا) کہا ہے تو یہ لوگوں کا عام معمول ذکر کیا ہے کہ ہر عالم و جاہل اس حکم سے واقف اور اس پر عمل پیرا ہے اور (ببلد نا) کہکر علماء کے قول مختار کو نقل کیا ہے، اور جس مسئلہ میں علماء کی کوئی بات معلوم نہیں ہو سکی تو خود میں نے اجتہاد کیا اور اپنے متقدمین کے مذہب پر غور کر کے حق سے قریب تر رائے اختیار کی لیکن اس کا ہمیشہ خیال رہا کہ اہل مدینہ کے عمل اور ان کی رائے کے خلاف نہ ہونے پائے ، اس طرح کی رائے میری طرف منسوب ضرور ہے لیکن رسول اللہ ﷺ اور خلفاء راشدین کے زمانہ سے لے کر اب تک لائق تقلید ائمہ کا اس پر عمل ہوتا چلا آیا ہے۔

امام مالک ایک عملی فقیہ تھے، حقائق و واقعات کا اعتبار کرتے اور ان کو فقہ کی بنیاد اور دلیل بناتے ، اسی لئے آپ دیکھیں گے کہ اہل مدینہ کے عرف و عمل کا فقہ مالکی میں بڑا اعتبار ہے، کسی مسئلہ میں اہل مدینہ کا اتفاق ہو یا عرف شرعی، مصالح ہوں یا پرانے فتاوے اور فیصلے ، امام مالک ان سب پر پورا اعتماد کرتے اور ان کو قانونی مصادر کا درجہ دیتے ، آج کل بھی حکومتی اور ملکی قانون سازی کا یہی طریقہ ہے، اس لئے امام مالک کے احکام میں لوگوں کی مشکلات کا حل بھی ہوتا، اور یہ احکام لوگوں کے مسائل پر اثر انداز بھی ہوتے اور ان سے متأثر بھی ہوتے ،

کیونکہ بڑے تجربات سے گزرنے کے بعد ہی لوگوں کا کسی مسئلہ میں اتفاق ہوا کرتا ہے۔

اہل مدینہ کے علم وعمل پر مبنی اور اس سے مستفاد فقہ مالکی میں تیسیر اور دفع حرج کا پورا خیال رکھا گیا ہے، اس فقہ کی بنیاد پوری جماعت کی رائے اور تسلیم شدہ نصوص پر قیاس یا نصوص کے مجموعے سے براہ راست اس طرح استنباط پر ہے جو نص کے برابر ہے، اس لئے کہ ارشاد باری تعالی ہے: ﴿لا يكلف الله نفسا إلا وسعها﴾(۱) (اللہ تعالی کسی کو اس کی وسعت سے زیادہ مکلّف نہیں فرماتا)۔

اللہ تعالی نے لوگوں کے لئے دین میں کسی قسم کا حرج نہیں رکھا ہے، خود رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں: ''بعثت بالحنيفية السمحة''(۲) (مجھے آسان اور سیدھی شریعت دیکر بھیجا گیا) اور ''خذوا من الأعمال ما تطيقون ''(۳) (جو کرسکو وہی عمل اختیار کرو)۔

اللہ تعالی نے اس امت کے ساتھ یسر اور آسانی کا معاملہ فرمایا ہے، عسر اور تنگی و پریشانی نہیں رکھی ہے۔

امام مالک نے اپنے اصحاب کو حلال طیب سے لطف اندوز ہونے کا پورا موقع دیا اور دنیا کی چیزوں سے جائز حد تک لطف اندوز ہونے سے کبھی نہیں روکا، البتہ اگر دنیاوی ساز وسامان کی حرص وہوس پیدا ہونے کا اندیشہ ہوتا تو سختی سے منع فرمادیتے۔

---

(۱)''سورۃ البقرۃ'' (آیت ۲۸۶)۔ (۲)''مسند احمد'' (۵/۲۶۶)۔ (۳)''مسند احمد'' (۲/۲۳۱)۔

امام مالک حرج دور کرنے کی نہ صرف رخصت دیتے بلکہ اس کی ترغیب بھی دیتے، اسی طرح جب کچھ چیزوں سے منع فرماتے تو عادت کا استثناء کرکے اس میں رخصت کی شکلیں بھی پیدا فرماتے تھے، جمہور کا معمول اگر شریعت کے خلاف نہ ہوتا تو اس کی اجازت دے کر لوگوں کے لئے آسانی پیدا کرتے، خود اسلام نے جاہلیت کے ان عادات واعراف کو باقی رکھا جو شریعت کے مخالف نہ تھے، مدینہ کے لوگ سلف صالح کی عادتوں اور عرفی چیزوں کو بہت اہتمام کے ساتھ سینہ سے لگائے رکھتے تھے، اس لئے کہ ان کو یقین تھا کہ وہ اپنے اسلاف سے قطعاً افضل نہیں ہیں۔

امام مالک عرف کا بڑا خیال رکھتے تھے، چنانچہ مدینہ کے عرف ہی کی بنیاد پر انہوں نے فتوی دیا کہ چونکہ شریف خاتون کو دودھ پلانے سے ضرر پہونچتا ہے اس لئے اس پر دودھ پلانا لازم نہیں ہے، اسی طرح پڑوسی کو پابند کرتے تھے کہ وہ اپنے پڑوسی کو غیر معمولی اور نمایاں ضرر نہ پہونچائے، ''عرف'' کو معتبر مانتے ہوئے امام مالک ہر اس شکل کو ''بیع'' قرار دیتے جو لوگوں میں بیع کے طور پر رائج ہو، بیع وشراء کی وہ تمام شکلیں جو عادۃ لوگوں میں رائج ہوتیں وہ سب امام مالک کے نزدیک جائز ہیں، مثلاً قول کے بجائے عمل سے جو بیع منعقد ہوتی ہو، اسی طرح امام مالک کا کہنا تھا کہ جس طرح شرط کی بنیاد پر خیار شرط حاصل ہوتا ہے اسی طرح عرف کی بنیاد پر بھی خیار شرط حاصل ہوگا، اسی طرح امام مالک کے نزدیک بیع کے عرف کے لحاظ سے مدت خیار میں کمی وزیادتی کی جاسکتی ہے،

اہل مدینہ چونکہ خیارِ مجلس کے قائل اور اس پر عامل نہیں تھے اسی لئے ابن عمر رضی اللہ عنھما کی یہ حدیث امام مالک نے نہیں لی: ''البیعان کل واحد منهما علی صاحبه با لخیار ما لم یتفرقا إلا بیع الخیار''اس کے بارے میں ''موطأ'' کے اندر امام مالک فرماتے ہیں: اس کی ہمارے نزدیک نہ کوئی معروف حد ہے اور نہ یہ معمول بہ ہے۔

باہم رضامندی کی مصلحت اور دفع جہالت کے مقصد سے ''موطأ'' کے اکتیس ابواب میں امام مالک نے ''غرر'' کے بارے میں گفتگو فرمائی ہے، عقود و معاملات میں غرر کے اعتبار کے لئے فقہ میں عموماً اس کی شرط لگائی جاتی ہے کہ ''لوگوں کو اس نوع کی ضرورت ہو'' اور حاجت شرعی کی تکمیل کو حرام قرار دینا غرر کے بجائے ضرر کا زیادہ باعث ہے۔

امام مالک نے عرف ہی کی بنا پر متعین اجرت پر چشمہ کے اجارہ کو جائز قرار دیا ہے، حالانکہ کبھی کبھی یہ کچھ بھی نفع نہیں دیتا ہے، بلکہ امام مالک کے نزدیک ایسی منفعت کا اجارہ بھی جائز ہے جس کا حصول ظنی ہو، مثلاً امام ایسے شخص کے لئے انعام کا وعدہ کرے جو مصالح عامہ اس کو بتائے یا بلاغ کا اجارہ، (''بلاغ'' مالکیہ کی خاص اصطلاح ہے اور اس کا مطلب ہے ''کسی نتیجے تک پہنچنے کا معاملہ کرنا'')۔

بہت سارے فقہی ابواب میں امام مالک نے ''سد ذریعہ'' کا قاعدہ اپنایا ہے جس کا مطلب ہے کسی امر مباح کو اس لئے ممنوع قرار دینا کہ اس سے فساد

پیدا ہوتا ہو مثلاً فتنہ کے زمانے میں ہتھیار کی بیع، یا دشمن کے ہاتھوں ہتھیار کی بیع، خدمت عامہ پر مقرر شخص کو ہدیہ، دشمن کی دشمن کے مقابلے میں گواہی، مجلس قضاء میں ایک فریق کو دوسرے فریق پر تقدیم وترجیح، قاضی کا محض اپنے علم کی بنیاد پر فیصلہ کر دینا، یا رات میں عورتوں کا مسجدوں میں جانا۔

اسی طرح امام مالک کے نزدیک متعاقدین کی ظاہری نیت کا اعتبار نہیں ہے اگر اس کے پیچھے کوئی دوسری غیر قانونی نیت مخفی ہو مثلاً شیرہ بیچنا اس شخص کے ہاتھوں جو اس سے شراب بنانا چاہتا ہو، گھر کو کرایہ پر دینا ایسے شخص کو جو اس کو قمار خانہ بنائے، یا حلالہ کرنے والے کا نکاح، لیکن مصلحت کی وجہ سے ایسی شکلوں کو جائز قرار دیتے ہیں جو اصلاً غیر منہی نہ ہوں، مثلاً کسی محارب کو مال دینا اس نیت سے کہ وہ اس کو قتل نہ کرے، اس میں دفع مال اصلاً منع نہیں ہے بلکہ حرام اور ناجائز طریقہ سے مال کھانا حرام ہے، اور محارب کو ایسے موقع پر مال دینے میں ایک خاص مصلحت (حفاظت نفس) ہے اس لئے یہ شکل جائز قرار پائے گی، اور یہ سب حدیث: ''لا ضرر و لا ضرار'' کی تطبیقی شکلیں ہیں، اس لئے امام مالک کے نزدیک حق کا استعمال اس وقت جائز نہیں ہے جب نزاہت کے خلاف ہو، مثلاً صرف نقصان پہونچانے کی نیت سے حق استعمال کرنا، یا مصالح عامہ کی خلاف ورزی کرنے کے لئے اپنا کوئی حق استعمال کرنا یا اپنے لئے ایسی مصلحت کا حاصل کرنا جو دوسروں کے لئے ذرا بھی مناسب نہ ہو یا اپنی ایسی مصلحت کو حاصل کرنا جس سے دوسروں کا ''ضرر فاحش'' ہوتا ہو۔

مصلحت کو معتبر ماننے کے سلسلے میں طبعی طور پر مدینہ کی فضا امام مالک کے موافق تھی، امام مالک جانتے تھے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنھم اجمعین بھی ایسے مسائل میں جن میں کوئی نص موجود نہ ہوتی تو اجتہاد سے کام لیتے تھے اور مصلحت کے اعتبار سے مختلف مسائل کا حل اور حکم مستنبط کرتے تھے، ایسا نہیں ہوتا کہ جس مسئلہ میں نص موجود نہ ہو اس کے بارے میں توقف اختیار کرتے اور کوئی حل اور حکم مستنبط نہیں کرتے، اور ایسا کرنا ایک فطری اور ضروری امر بھی تھا، اس لئے کہ نصوص تو محدود ہیں اور شریعت کے قواعد واحکام لامحدود انسانی ضرورتوں کی تکمیل کے لئے ہیں، اس لئے لامحالہ اجتہاد کرکے احکام کا استنباط ضروری ہے۔

ایک لحاظ سے اور غور کیجئے، قرآن جامع ہے اس میں ہر طرح کے کلی معلومات موجود ہیں جن کو آج کی اصطلاح میں ''اساسیات''،''اصول وکلیات'' کہا جاتا ہے، قطعی الدلالۃ نصوص بہت کم ہیں اور ظنی الدلالۃ نصوص ایک سے زیادہ معنی کا احتمال رکھتے ہیں، اس لئے اجتہاد کرنا اس بنیاد پر ضروری ہے کہ کسی بھی شئے کو حرام قرار دینے یا اس کے جواز کا فتوی دینے کے لئے اصلاً استفادہ تو نص ہی سے کیا جائے گا، البتہ شریعت کے کسی ضروری مقصد کی مخالفت ہو رہی ہو تو قیاس غلط قرار پائے گا۔

اسی طرح استدلال کے لئے کسی نص خاص کو سامنے رکھنا بھی ضروری نہیں ہے، بلکہ کبھی اصل عام کے تحت کسی معقول طریقہ سے بھی استدلال کیا جاسکتا ہے، اسی طرح صرف الفاظ کے عموم سے بھی استدلال نہیں ہوسکتا ہے،

بلکہ ان الفاظ کے محل استعمال اور مختلف معانی کے استقراء کے بعد ہی استدلال ممکن ہے، اس لئے کہ ایسا کرنے میں جملہ نصوص کا مقصد پورا ہوتا ہے، لہٰذا احکام، الفاظ سے مستفاد عموم کے مطابق جاری کئے جائیں گے اور یہی اصل قطعی قرار پائے گا، جو ہر اس جزئیہ پر منطبق ہوگا جس کے بارے میں کوئی نص وارد نہ ہو، اور کبھی یہ اصل کلی اصل معین کے برابر یا اس سے بھی زیادہ اعتبار کے قابل ہو جاتا ہے (اور یہ تفاوت اصل معین کی قوت وضعف کے اعتبار سے ہوتا ہے)۔

امام مالک فرمایا کرتے تھے: **الاستحسان تسعة أعشار العلم**(۱) (علم کے دس حصوں میں سے نو حصے استحسان میں پوشیدہ ہیں) اور اس جملہ سے ان کی مراد یہی ہوتی تھی کہ ایک فقیہ مصلحت کو بھی خوب سمجھتا ہو کہ یہی اصل فقاہت ہے، اور اسی اصل کے تحت ہر زمانہ کے فقہاء اور قانون ساز، انسانی ضرورتوں کی تکمیل کے لئے ایسے احکام مستنبط کرتے رہے ہیں جنکی کتاب وسنت سے اخذ کردہ کلی اصول سے تائید ہوتی ہے۔

اس سلسلہ کے مجتہد اکبر اور امام اعظم حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی ذات گرامی ہے اور مدینہ منورہ حضرت عمر کے علم وفقہ کا مرکز تھا، امام مالک نے بھی حضرت عمر کے طریقہ کو اپنایا اور پھر ان کے تلامذہ ان کے طریقہ پر چلتے رہے کہ اگر کسی مسئلہ میں نصوص خاموش ہوں لیکن وہ مسئلہ اسلام کے مقاصد کے موافق اور مصلحت عامہ کے مطابق ہے تو اس کو صریح اور استقراء سے اخذ کردہ

---

(۱) ''الموافقات'' (ص۱۷۰)۔

اصول کے ضمن میں معتبر قرار دیا جائیگا، اس لئے کہ اگر اس کوکسی اصل کے ضمن میں نہیں مانا جائیگا تو پھر اس کا مطلب لازماً یہ نکلے گا کہ یہ مسئلہ شریعت کی دسترس سے باہر ہے اور ظاہر ہے کہ شریعت کے بارے میں اس طرح کا تصور نہ صرف ناممکن بلکہ محال ہے، کیونکہ شریعت کی تکمیل ہو چکی، اس کی دسترس سے کوئی مسئلہ باہر ہو ہی نہیں سکتا۔

''عمل اہل مدینہ'' کے بارے میں ابن خلدون کا نظریہ:

امام مالک کے نزدیک ''عمل اہل المدینۃ'' کا بہت اعتبار ہے، اس پر بحث کرتے ہوئے علامہ ابن خلدون اپنے مشہور ترین مقدمہ میں فرماتے ہیں۔

اہل حجاز کے امام و پیشوا امام مالک بن انس اصبحی ہیں جو امام دارالھجرۃ کے لقب سے مشہور ہیں، آپ کے نزدیک دیگر مجتہدین کے مقابلہ میں استنباط احکام کے کچھ مزید ایسے معیار ہیں، جو صرف امام مالک کے نزدیک قابل اعتبار ہیں، ان میں سے ایک ''عمل اہل المدینۃ'' ہے۔

''عمل اہل المدینۃ'' کو معتبر ماننے کی وجہ یہ ہے کہ امام مالک نے دیکھا کہ اہل مدینہ اگر کسی چیز پر متفق ہیں یا کوئی شیئے متفقہ طور پر ان کے نزدیک متروک ہے تو اس کا مطلب ہے کہ لازماً انہوں نے اپنے دین و مذہب کی اتباع اور اپنے اسلاف کی تقلید میں ہی ایسا کیا ہے، اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ ان متقدمین اسلاف نے اپنے پیشرو اسلاف کو ایسا کرتے دیکھا ہوگا، اور اس طرح یہ سلسلہ ضرور نبی کریم ﷺ تک منتہی ہوگا، کیونکہ مدینہ کے باشندے رسول اللہ ﷺ سے ہی ساری چیزوں کو اخذ کرتے تھے۔

اس نظریہ کے تحت امام مالک نے ''عمل مدینہ'' کو ادلہ شرعیہ کے اصول میں سے باضابطہ ایک اصل مانا ہے، لیکن بہت لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ''عمل مدینہ'' امام مالک کے نزدیک اجماع کے طور پر قابل اعتبار ہے، اس لئے انہوں نے اس کا انکار کیا ہے کیونکہ اجماع کے لئے صرف اہل مدینہ کا اتفاق کافی نہیں ہے بلکہ امت کے تمام طبقوں کا اتفاق اجماع کو ثابت کرنے کے لئے ضروری ہے۔

یاد رہے کہ کسی امر دینی کے سلسلہ میں اجتہاد کرنے کے بعد تمام امت کا متفق ہوجانا اجماع کہلاتا ہے، اور امام مالک اس مفہوم میں ''عمل مدینہ'' کو معتبر نہیں مانتے بلکہ اس لئے معتبر مانتے ہیں کہ اہل مدینہ نے یہ کام اپنی سابقہ نسل اور اسلاف کو ہی دیکھ کر کیا ہے اور انہوں نے اپنے اسلاف کو دیکھ کر اور اس طرح اس عمل کا سلسلہ لازماً شارع علیہ السلام سے جاملتا ہے، اس لئے کہ صحابہ کرامؓ دین کے کسی عمل کو اپنی طرف سے قطعاً اختیار نہیں کرتے تھے بلکہ رسول اللہ ﷺ کی ہی تقلید واتباع میں سارے اعمال کرتے تھے۔

بندۂ ناچیز عرض کرتا ہے کہ یہ مسئلہ ''باب الإجماع'' میں بیان کیا گیا ہے اس لئے کہ اجماع عرفی اور اس کے درمیان ایک طرح کی مشابہت پائی جاتی ہے، بس فرق یہ ہے کہ اجماع عرفی میں دلائل میں غور وفکر کے بعد اجتہاد کرکے ایک مسئلہ پر اتفاق ہوتا ہے، اور اس میں اسلاف کے مشاہدہ کے نتیجہ میں کسی عمل کے اختیار وترک پر اتفاق ہورہا ہے، اسی اتفاق کی مشابہت کی وجہ سے اس کو ''اِجماع'' کے تحت بیان کیا گیا، لیکن بندہ کی رائے ہے کہ ''باب فعل النبی ﷺ

وتقریرہ'' یا شریعت کے دیگر مختلف ادلہ مثلاً ''مذہب الصحابی''، ''شرع من قبلنا''، ''استصحاب'' وغیرہ کے ساتھ اس کو بیان کیا جائے تو زیادہ بہتر ہے۔

مذہب مالکی کی اشاعت:

قاضی عیاض کہتے ہیں: مذہب مالکی حجاز، بصرہ، اندلس، صقلیہ، مغربِ اقصی اور سوڈان کے مسلم علاقوں تک پھیلتا گیا اور ہر جگہ اس کا بول بالا رہا، بغداد میں بھی یہ مسلک رائج رہا، لیکن چار سو سال کے بعد بغداد میں مسلک مالکی کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی، پھر پانچ سو سال کے بعد بصرہ میں بھی یہ مذہب کمزور ہو گیا، ملک خراسان کے قزوین اور ابہر میں مسلک مالکی ہی غالب رہا، نیساپور میں بھی یہ مذہب رائج ہوا، وہاں اس مذہب کے کئی ائمہ اور معلمین تھے۔

سرزمین حجاز میں مسلک مالکی کی اشاعت اور رواج ایک فطری بات تھی، کیونکہ امام مالک کی پوری زندگی حجاز مقدس کے قلب میں بسر ہوئی تھی، آپ نے فقہاء حجاز ہی کا طریقہ اپنایا تھا، اس لئے ایک طویل عرصہ تک حجاز مقدس میں اس مذہب کا زور رہا، پھر قدرے متاثر ہو گیا، لیکن ابن فرحون کے ۷۹۳ھ میں قاضی مدینہ بن جانے کے بعد یہ مذہب حجاز میں پھر استوار ہو گیا۔

مصر میں مذہب مالکی کو سب سے پہلے رواج دینے والے عثمان بن الحکم اور عبدالرحمان بن خالد بن یزید ہیں، ان کے بعد مصر میں اس مسلک کے بڑے بڑے علماء پیدا ہوئے اور یہی مذہب وہاں رائج تھا، لیکن امام شافعی جب مصر

پہونچے تو مسلک مالکی کے ساتھ ساتھ مسلک شافعی بھی لوگوں میں مقبول ہوتا گیا، پھر بھی مسلک مالکی کے انصار و مؤیدین مصر میں برابر موجود رہے۔

تونس میں پہلے مسلک مالکی پہونچا پھر ایک مدت تک مذہب حنفی کا وہاں غلبہ رہا پھر مسلک مالکی غالب آیا جو آج تک باقی ہے، اندلس میں ہجرت کے دوسو سال بعد یہ مسلک زیاد بن عبد الرحمان کے ذریعہ پھیل چکا تھا، زیاد بن عبد الرحمان جب حج کے لئے حجاز گئے اور امام مالک سے ملاقات ہوئی تو ان کے مسلک سے متاثر ہو کر لوٹے اور اپنے ملک میں اس مسلک کو رائج کیا، حکومت کا مسلک بھی مالکی مسلک قرار پایا۔

مغرب اُقصی کے ملکوں تک بھی اس مسلک کی رسائی ہوئی، اور بنی تاشقین کے زمانہ میں اس کو کافی فروغ بھی حاصل ہوا اور آج تک وہاں یہی مذہب رائج ہے۔

مؤرخ کبیر علامہ عبد الرحمان بن محمد بن خلدون اپنے شہرۂ آفاق ''مقدمہ'' میں مذہب مالکی کی ترویج واشاعت کا ذکر بڑی تفصیل سے کرتے ہیں، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم ان کی گفتگو یہاں نقل کردیں تاکہ مسلک مالکی کی اشاعت کی تفصیل معلوم ہو سکے۔

ابن خلدون کہتے ہیں کہ امام شافعی جب ۲۰۰ھ میں مصر پہونچے تو اس وقت وہاں علماء مالکیہ کی ایک بڑی تعداد موجود تھی جس سے امام شافعی کی ملاقات

ہوئی، ان میں عبداللہ بن عبدالحکم بن اَعین ہیں جو ۱۵۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۱۶ھ میں انتقال کیا، انہوں نے امام مالک سے ''موطأ'' کو سنا پھر ابن وہب اور ابن القاسم سے روایت کی اور ایک کتاب ''مذہب مالکی'' پر لکھی، اَشہب بن عبدالعزیز قیسی عامری بھی مصر میں اقامت پذیر تھے جن کا شمار بڑے فقہائے مالکیہ میں ہے، فقہ مالکی میں ان کی بھی ایک کتاب ''المدونۃ'' کے نام سے ہے، لیکن یہ مشہور ''مدونہ سحنون'' کے علاوہ دوسری کتاب ہے جو ''مدونہ'' ہی کے نام سے ہے۔

عبدالرحمان بن القاسم کا بھی قیام مصر میں تھا، ان کا بھی شمار فقہائے مالکیہ کے بڑے ائمہ میں ہے اور مذہب مالکی کی تدوین ونقل کے سلسلے میں ان کا نمایاں کارنامہ ہے، ۱۹۱ھ میں وفات ہوئی، اس طرح ابن المواز، حارث بن مسکین اور ان کی اولاد وغیرہ بھی مصر میں اس وقت فروکش تھے، پھر جب مصر کے تخت پر فاطمی شیعہ یعنی روافض کا قبضہ ہوا تو اہل سنت کے فقہ کا رواج ختم ہو گیا، اور اس کی جگہ فقہ شیعہ نے لے لی جس کو علامہ ابن خلدون ''فقہ اَھل البیت'' یا ''فقہ شیعۃ اَھل البیت'' کا نام دیتے ہیں، اس کے علاوہ دوسرے مسالک و مذاہب مصر سے ناپید ہو گئے۔

چوتھی صدی کے اواخر میں قاضی عبدالوہاب مالکی بغداد سے کوچ کر کے مصر پہونچے، اس وقت مصر میں فاطمیوں کے جد امجد عبیداللہ مہدی کی طرف منسوب عبیدی خلفاء کے ہاتھوں میں زمام سلطنت تھی، بلاد مغرب اور مصر وغیرہ

میں ان کے نام کا سکہ چلتا تھا، انہوں نے قاضی عبدالوہاب مالکی کا بہت اکرام کیا اور دوسروں کو بھی ان کے اکرام کا حکم دیا۔

قاضی عبدالوہاب مالکی کی فضیلت ظاہر کر کے عبیدی خلفاء دراصل عباسی خلفاء کو نیچا دکھانا چاہتے تھے کہ ایسے جلیل القدر اور عظیم المرتبت امام و قاضی کا خلفاء بنوعباس نے نہ صرف اکرام نہیں کیا بلکہ اپنے ملک سے نکال دیا، اس اعزاز واکرام کے ضمن میں مذہب مالکی کو مصر میں قدرے رواج حاصل ہوا، پھر جب سلطان صلاح الدین بن یوسف بن ایوب کے ہاتھوں عبیدی حکومت کا خاتمہ ہوا تو مذہب شافعی کو مصر میں دوبارہ رواج حاصل ہو گیا۔

اہل مغرب اور اندلس میں بھی مذہب مالکی خوب رائج ہوا، ان علاقوں کے باشندوں نے بہت کم دوسرے مسلک و مذہب کو اختیار کیا ہے، وجہ اس کی یہ تھی کہ اہل مغرب عموماً حجاز کا سفر کیا کرتے تھے، حجاز کے علاوہ دوسرے ملکوں کے سفر کا تصور بھی اس وقت ان کے یہاں نہیں تھا، اور حجاز میں مدینہ منورہ کو "علم کا شہر" مانا جاتا تھا، مدینہ منورہ سے ہی علم عراق پہونچا، عراق اہل مغرب کے راستہ میں نہیں پڑتا تھا اس لئے وہ علماء مدینہ سے ہی علم حاصل کرتے اور انہیں کے مسلک و مذہب کو اختیار کرنے پر مجبور تھے، اور علماء مدینہ کے شیخ و امام اس وقت امام مالک ہی تھے، ان سے پہلے امام مالک کے شیوخ اور ان کے بعد ان کے تلامذہ سے اہل مغرب اپنے علمی مسائل میں رجوع کرتے تھے، اس لئے اہل مغرب نے امام مالک کو اپنا مقتدی اور امام تسلیم کر لیا تھا۔

علامہ ابن خلدون فرماتے ہیں: اہل مغرب امام مالک کے متبع اور مقلد ہیں، امام مالک کے تلامذہ مصر اور عراق میں بکثرت پھیلے، عراق میں قاضی اسماعیل اور ان کا پورا طبقہ خویز منداد احمد بن عبداللہ مالکی اصولی بصری متوفی ۴۰۰ھ، ابن اللبا دابوالحسن محمد بن عبداللہ بن الحسن (جن کی وفات پانچویں صدی ہجری کے اوائل میں ہوئی) قاضی ابوبکر ابہری (اصفہان کے ایک شہر ابہر کی طرف منسوب ہیں) جن کا نام محمد بن احمد الحسن متوفی ۱۸۱ھ ہے، قاضی ابوالحسین بن القصار، قاضی عبدالوہاب مالکی وغیرہم تھے۔

مصر میں عبدالرحمان بن القاسم، اُشہب بن عبدالعزیز، عبداللہ بن عبدالحکم، حارث بن مسکین اور ان کے طبقہ کے لوگ تھے، امام مالک کے اصحاب مثلاً عبداللہ بن عبدالحکم جیسے لوگوں سے استفادہ کرنے والے عبدالملک بن حبیب مالکی نے پہلے اندلس سے رخت سفر باندھ لیا تھا، پھر دوبارہ اندلس گئے اور مذہب مالکی کو خوب رواج دیا، ان کی ایک کتاب ''الواضحۃ'' فقہ مالکی کی اہم اصولی کتابوں میں شمار کی جاتی ہے، انہوں نے عبدالرحمان بن القاسم اور اس طبقہ کے دیگر افراد سے بھی علم حاصل کیا تھا، ۲۳۸ھ میں آپ نے وفات پائی۔

ابن حبیب جب اپنی کتاب ''الواضحۃ'' کی تالیف سے فارغ ہوئے تو ان کے شاگرد محمد بن احمد بن عبدالعزیز عتبی متوفی ۲۵۵ھ نے اپنے استاذ کی کتاب سے مسائل کا استخراج کرکے ایک کتاب لکھی، جس کا نام ''العتبیۃ'' یا ''المستخرجۃ''، رکھا، عتبی قرطبہ کے رہنے والے تھے، سحنون وغیرہ سے ان کو

سماع حاصل ہے، ابن حزم نے تو یہاں تک کہا کہ افریقہ کے اہل علم اس کتاب کو بڑی وقعت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور یہ کتاب ان کے درمیان بہت مشہور رہے۔

اسد بن الفرات جو اصلاً خراسان کے رہنے والے تھے بچپن ہی میں ان کے والدان کو تونس لے گئے، انہوں نے وہیں نشو ونما پائی اور علم فقہ حاصل کیا، پھر امام مالک کی خدمت میں جا کر ''موطأ'' کا سماع کیا، پھر وہ افریقہ کے مغرب ادنی یعنی اس وقت کے تونس سے کوچ کر کے عراق آئے، جہاں امام ابوحنیفہ کے صاحبین ابو یوسف اور محمد سے علم وفقہ میں دستگاہ پیدا کی، اصحاب ابوحنیفہ پر انہوں نے پہلے ایک کتاب بھی لکھی پھر مذہب مالکی کو اختیار کر لیا، عبدالرحمان بن القاسم کے ساتھ رہ کر مذہب حنفی کے جو مسائل عراق میں پڑھے تھے ان کے بارے میں سوالات کرتے اور ابن القاسم مختلف جوابات دیتے، انہیں جوابات کو ابن الفرات نے ''الأسدیۃ'' نامی کتاب میں جمع کر دیا، اور جب ابن الفرات اپنی کتاب قیروان لے گئے تو یہی کتاب سحنون کے ''مدونۃ'' کی اساس وبنیاد بنی۔

قیروان میں ابن الفرات سے کسب فیض کر کے سحنون مشرق آ گئے اور ابن القاسم سے اکتساب فیض کیا پھر مغرب پہونچے اور مذہب مالکی کے شیخ وامام تسلیم کئے گئے، اسی زمانہ میں لوگوں کا رجوع ''اسدیۃ'' سے ''مدونۃ'' کی طرف ہو گیا، ابن القاسم نے بھی ابن الفرات کو خط لکھ کر یہ نصیحت کی کہ وہ بھی سحنون کے ''مدونۃ'' کو حاصل کریں، ابن الفرات کو یہ بات اچھی نہیں لگی حالانکہ انہوں نے اپنی کتاب کو ابن القاسم سے ہی مسائل پوچھ پوچھ کر مدون ومرتب کیا تھا اور سحنون

سے مناقشہ کے بعد ابن القاسم نے بہت سے مسائل سے رجوع کرلیا تھا۔

لیکن اس کا مطلب یہ بھی نہیں ہے کہ سحنون کا ''مدونہ'' ہر عیب سے پاک تھا، بلکہ اس میں مختلف ابواب کے مسائل گڈمڈ اور مختلط تھے، اسی لئے ان کی کتاب ''مدونہ'' بھی کہلاتی ہے اور '' مختلطه'' بھی، لیکن اس کے باوجود اہل قیروان کا ماخذ ومرجع سحنون کا ''مدونہ'' ہی تھا، اور یہی کتاب مذہب مالکی کی بنیادی اور اصولی کتاب سمجھی جاتی تھی، بلکہ یہی وہ اساس ہے جس پر آج کا مشہور مسلک مالکی قائم ہے۔

اہل اندلس نے ابن حبیب کی کتاب '' الواضحۃ'' اور عتبی کی کتاب ''العتبیۃ'' کے ساتھ بہت اعتنا کیا، پھر ابن ابی زید نے ''مدونہ'' کا اختصار کرکے ''المختصر'' نام سے ایک کتاب ترتیب دی، اسی طرح قیروان کے فقیہ ابوسعید برادعی نے بھی '' التھذیب'' کے نام سے اس کی تلخیص کی جس پر اہل افریقہ، تونس اور اس علاقہ کے لوگوں نے بڑا اعتماد کیا، اور اس کو ایسا اختیار کیا کہ دوسری کتابیں پھر متروک ہوگئیں، اسی طرح اہل اندلس نے ''العتبیہ'' پر اس قدر اعتماد کیا کہ ابن حبیب کی ''الواضحۃ'' اور دیگر کتابیں تقریباً متروک ہوگئیں۔

مذہب مالکی کے علماء نے ان امہات کتب کی تشریح وتوضیح اور جمع و ترتیب کی خدمت بھی خوب انجام دی، چنانچہ اہل افریقہ مثلاً ابن یونس، ابن محرر تونسی اور ابن بشیر وغیرہ نے ''مدونہ'' پر کئی کتابیں لکھیں۔

اہل اندلس نے ''العتبیۃ'' پر بہت کچھ لکھا خصوصاً ابوالولید محمد بن احمد بن

رشد متوفی ۵۲۰ھ نے اس کی بڑی خدمت کی۔ ''المقدمات الممھات'' کے مصنف یہی ابوالولید ہیں، فقہ مالکی کے بارے میں ان کی اور بھی کئی کتابیں ہیں، آپ فقہ مالکی کے بڑے امام اور قاضی تھے، بڑے نیک سیرت اور خوش خصال انسان تھے۔

قرطبہ اور قیروان کی حکومت کے خاتمہ تک مذہب مالکی کا پرچم مشرق و مغرب میں لہرا رہا تھا، اہل مغرب ''المدونۃ'' اور ''العتبیۃ'' کو اپنا مرجع سمجھتے تھے، پھر ابوعمرو بن الحاجب کی وہ کتاب منظر عام پر آئی جس میں ہر باب میں اہل مذہب کے طرق اور ہر مسئلہ میں ان کے اقوال جمع کر دیئے گئے تھے، گویا یہ کتاب مختلف مذاہب کے انسائیکلوپیڈیا اور موسوعہ کی شکل میں سامنے آئی۔

مصر میں حارث بن مسکین، ابن المبشر، ابن اللیث، ابن رشیق، ابن شاش کے زمانہ سے ہی مذہب مالکی رائج تھا، اور اسکندریہ میں بنوعوف، بنومسند اور ابن عطاء اللہ کے درمیان زیادہ رائج رہا۔

لیکن یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ عمرو بن الحاجب نے یہ طریقہ کس سے سیکھا، البتہ یہ یقینی ہے کہ عبیدی حکومت کے خاتمہ وزوال اور فقہ شیعہ کی جگہ شافعی و مالکی فقہ سنی کے دوبارہ رائج ہونے کے بعد یہ کتاب لوگوں کے سامنے آئی، ساتویں صدی ہجری کے اواخر میں جب یہ کتاب اہل مغرب کے ہاتھوں میں پہونچی تو مغرب کے بہت سے طالبان علوم اور ''بجایۃ'' کے باشندوں نے اس کو ہاتھوں ہاتھ لیا، اہل ''بجایۃ'' کے شیخ ابوعلی ناصر الدین زواوی نے اس کتاب سے اہل

مغرب کو سب سے پہلے روشناس کرایا، انہوں نے مصر میں اپنے اصحاب کو باضابطہ یہ کتاب پڑھائی پھر اس کا اختصار کیا اور یہی ''المختصر'' ''بجایہ'' کے تلامذہ میں مشہور ہوئی، اور پھر ان کے ذریعہ مغربی شہروں اور ملکوں تک یہ کتاب پہونچی، اس کتاب کی مقبولیت کا اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ مغرب میں ابن خلدون کے زمانہ تک فقہ کے طلبہ اس کتاب کو پڑھتے پڑھاتے تھے، اس لئے کہ ناصر الدین زواوی اپنے طلبہ کو اس کے مطالعہ کی بہت ترغیب دیتے اور اس کی فضیلت بیان کرتے تھے، تونس کے مشہور شیوخ ابن عبدالسلام، ابن رشد، ابن ھارون وغیرھم نے اس کی شرح بھی کی ہے۔

یہاں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ علامہ ابن خلدون نے مذہب مالکی کی اشاعت وترویج اور اس کی تالیفات وشیوخ کا تذکرہ بڑی تفصیل اور شرح وبسط کے ساتھ کیا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ علامہ ابن خلدون خود مذہب مالکی کے بڑے فقہاء میں سے ہیں، مصر کے دوران قیام آپ مصر میں فقہ مالکی کا درس بھی دیتے تھے، ایک زمانہ تک مذہب مالکی کے قاضی القضاۃ یعنی شیخ الشیوخ کے منصب پر فائز رہے، اس لئے اس تفصیل سے اس کا تذکرہ کرنا فطری بات تھی۔

جزیرۃ العرب، خلیج عربی، عمان اور بحرین، ابوظبی اور دبئ کے مختلف علاقوں تک بھی مذہب مالکی کی رسائی ہوچکی تھی، لیکن ہمارے سامنے یہ معلوم کرنے کے لئے قابل اعتماد ذرائع موجود نہیں ہیں کہ جزیرۃ العرب کے جنوب مشرق دبئ میں یہ مذہب کن طریقوں اور کن ذرائع سے پہونچا۔

البتہ اس قدر کہا جا سکتا ہے کہ امام مالک کی پوری زندگی شہر رسول مدینہ منورہ میں گذری، وہیں آپ کی مسند درس وافتاء بھی آراستہ ہوتی تھی، اور وہ بھی مسجد نبوی میں، صرف اخیر میں صحت کی خرابی کی وجہ سے آپ نے اپنا حلقۂ درس گھر میں منتقل کرلیا تھا، مدینہ منورہ میں چونکہ رسول اللہ ﷺ کا روضۂ اقدس ہے، اس لئے مدینہ منورہ شروع سے تمام مسلمانوں کے دلوں کا قبلہ اور نگاہوں کا مرکز رہا، زائرین مدینہ کی آمد ورفت کا سلسلہ کبھی منقطع نہیں ہوا، ہر علاقہ اور ہر دیار کے لوگ روضۂ اقدس کی زیارت کے لئے ہمیشہ آتے رہے، اس طرح ہر حاجی بھی حج کے ساتھ ساتھ مدینہ منورہ کی زیارت سے اپنی آنکھیں روشن کرنا اپنی سعادت سمجھتا، اور مغرب ومشرق سے حج کے لئے آنے والوں کی تعداد ہزاروں اور لاکھوں میں ہوتی، اور پھر یہ لوگ مدینہ منورہ میں رائج مذہب مالکی سے متاثر ہوکر دنیا کے مختلف گوشوں میں واپس جاتے، ظاہر ہے کہ مذہب مالکی کی ترویج و اشاعت میں یہ صورت حال بہت حد تک معاون ہوئی۔

اور بہت ممکن ہے کہ جزیرۃ العرب کے جنوب سے اور خلیج عربی عمان کے مختلف علاقوں سے مختلف قافلے حج یا عمرہ یا مدینہ منورہ کی زیارت کے لئے آتے ہوں اور امام مالک سے متاثر ہوکر واپس جاتے ہوں اور اپنی قوم میں اس مذہب کا تذکرہ کرتے ہوں، جس کے نتیجہ میں ایک بڑی تعداد نے اس مسلک کو اختیار کرلیا ہو۔

اور یہ تو معلوم ہے کہ مذہب مالکی بصرہ میں پورے طور پر رائج تھا اور

بصرہ خلیج اور امارات سے کچھ زیادہ دور نہیں ہے، اس لئے یہ بھی ممکن ہے کہ بصرہ سے منتقل ہو کر یہ مذہب امارات تک پہونچا ہو، خود حجاز مقدس اور خلیج و امارات کے درمیان فاصلہ بہت زیادہ نہیں ہے، اس لئے جب حجاز سے شمالی افریقہ اور اندلس تک مذہب مالکی کی ترویج واشاعت کرنے والے موجود تھے تو پھر ابوظبی اور دبئی تک اس مذہب کو منتقل کرنے والے ضرور ہونگے، کیونکہ یہ علاقے افریقہ کے مقابلہ میں کچھ زیادہ دور بھی نہیں ہیں۔

امام مالک کی تصنیفات:

امام مالکؒ نے ''موطأ'' کے علاوہ بھی بہت سی کتابیں تصنیف کی ہیں جن میں سے اکثر صحیح سند کے ساتھ ان سے مروی ہیں، لیکن وہ کتابیں زیادہ مشہور نہیں ہوسکیں، خود امام مالک بھی ان کتابوں کو سنانے اور روایت کرنے کا اس قدر اہتمام نہیں فرماتے تھے جس قدر ''موطأ'' کا اہتمام کرتے تھے، ذیل میں ہم ان کتابوں کی مختصر تفصیل پیش کررہے ہیں۔

۱۔ '' رسالة إلى هارون الرشيد من الآداب والمواعظ''۔

اس رسالہ کو سب سے پہلے اندلس میں ابن حبیب نے امام مالک کے واسطوں سے بیان کیا، پھر اخیر میں ابوجعفر بن عون اللہ، قاضی ابوعبداللہ بن مفرج نے عبدالرحمان بن زید و یہ دمشقی سے اس کی روایت کی، لیکن بعض لوگوں نے اس رسالہ کا انکار کیا ہے، اصبغ بن الفرج نے نہ صرف انکار کیا ہے بلکہ قسم کھا کر کہا ہے کہ خدا کی قسم یہ امام مالک کی تصنیف نہیں ہے، ''اوجز المسالک'' کے مقدمہ میں

ہے کہ اس رسالہ میں چونکہ بعض منکرات ہیں اس لئے کچھ لوگوں نے اس رسالہ کا انکار کیا ہے، رسالہ کئی مرتبہ طبع ہو چکا ہے۔

۲۔ "رسالة إلى الليث في إجماع أهل المدينة"۔

۳۔"رسالة إلى ابن وهب عبدالله أبي محمد بن وهب بن مسلم القرشي"۔

ابن وہب امام مالک کی خدمت میں بیس سال تک رہے، ان کا نام ہی ''دیوان العلم'' (دفتر علم) پڑ گیا تھا، بعض لوگوں نے اس رسالہ کا نام ''رسالة فی القدر و الرد علی القدرية'' بتایا ہے، ابن فرحون فرماتے ہیں کہ یہ رسالہ قدریہ کی تردید میں عمدہ اور مشہور ترین کتاب ہے، مزید فرماتے ہیں کہ یہ مشہور بھی ہے اور اس سے مؤلف کی وسعت علم کا بھی پتہ چلتا ہے، قاضی عیاض نے بھی اس کتاب کی تعریف کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ کتاب اس موضوع پر بہترین کتاب ہے اور مؤلف کی وسعت علم کی آئینہ دار ہے۔

۴. '' کتاب الأقضية''

امام مالک نے مختلف قاضیوں کے نام خطوط لکھے، ان ہی خطوط کا یہ مجموعہ ہے جو عبداللہ بن عبدالجلیل کی روایت کے مطابق دس اجزاء میں ہے۔

۵۔ ایک کتاب نجوم اور چاند کے منازل و مدار سے متعلق ہے جو اس فن کی بڑی اہم اور مفید کتاب ہے، لوگوں نے اس پر بڑا اعتماد کیا ہے، اور اس فن کی اساس و بنیاد تسلیم کیا ہے۔

۶. ''کتاب المناسک''

ابوجعفر زہری کہتے ہیں: یہ کتاب امام مالک کی بڑی تصنیفات میں سے ہے جس میں حج کے مناسک اور احکام مذکور ہیں۔

۷. ”کتاب المجالسات عن مالک“

ابن وہب نے اس کتاب میں امام مالک کی مجلسی باتیں جمع کردی ہیں، یہ کتاب ہر طرح کی علمی، دینی، تاریخی اور اخلاقی باتوں کا مجموعہ ہے۔

۸. ” کتاب المجالسات“

یہ کتاب محمد بن ابراہیم بن عبدوس بن بشیر نے ترتیب دی ہے جو چار اجزاء میں ہے، محمد بن ابراہیم بڑے عابد وزاہد انسان تھے، ۲۰۲ھ میں آپ کی ولادت ہوئی اور ۲٦۱ھ میں وفات ہوئی، ایک قول ہے کہ ۲٦۱ھ کے بعد وفات ہوئی۔

۹. ”کتاب التفسیر لغریب القرآن“

خالد بن عبد الرحمان مخزومی نے امام مالک سے یہ کتاب روایت کی ہے۔

۱۰. ” أحکام القرآن“

یہ امام مالک کی ذاتی تصنیف نہیں بلکہ محمد مکی بن أبی طالب اندلسی کی تصنیف ہے، جن کی وفات محرم ۴۳۷ھ میں ہوئی، انہوں نے اس کتاب میں آیات قرآنیہ کو جمع کرکے اس کا نام ”کتاب المأثور عن الامام مالک فی أحکام القرآن“ رکھا ہے، ابن فرحون نے اس کا تذکرہ کیا ہے، ”کشف الظنون“ میں اس کتاب کا

تعارف ''مختصر أحكام القرآن لأبی محمد مکی بن أبی طالب قیسی متوفی ٤٣٧ھ '' کے نام سے ہے۔

ابو مکی کی ولادت شعبان ۳۵۵ھ ہے، قرآن کے موضوع پر آپ کی بہت زیادہ تصنیفات ہیں، پندرہ جلدوں میں آپ کی ایک تفسیر بھی ہے۔

۱۱. '' المدونة الکبری''

یہ فقہ مالکی کی عظیم الشان اور مشہور ترین کتاب ہے، یہ بھی امام مالک کی ذاتی تصنیف نہیں ہے لیکن اس کی بھی نسبت امام مالک کی طرف ہی کی جاتی ہے، اس کتاب میں مصنف نے مسلک مالکی کے جملہ اقوال نقل کر دیئے ہیں، اس طرح یہ کتاب بڑی اہم کتاب شمار کی جاتی ہے، بڑے بڑے مشایخ نے اس کی شرح لکھی ہے جس کی تفصیل اس سے پہلے گذر چکی ہے،

۱۲. ''تفسیر القرآن عن الإمام مالک ''

امام مالک کی تصنیفات ذکر کرنے والوں نے عموماً اس کا بھی تذکرہ کیا ہے، ممکن ہے کہ '' التفسیر لغریب القرآن'' ہی کا دوسرا نام ''تفسیر القرآن عن الامام مالک'' ہو۔

۱۳. '' کتاب المسائل''

۱۴۔ امام مالک کے منتخب اقوال کو محمد ابو الطیب بن أبی بکر بن أحمد ابی یوسف معروف بن خلال نے چالیس اجزاء میں جمع کیا، آپ کی وفات ۳۲۲ھ میں ہوئی۔

۱۵۔ محمد ابو اسحاق بن القاسم بن شعبان (متوفی ۳۵۵ھ) نے ایک کتاب ''غرائب مالک'' کے نام سے لکھی ہے۔

۱۶۔ احمد بن عبد الملک اشبیلی معروف بہ ابن المکوی (متوفی ۴۰۱ھ نے ایک کتاب امام مالک کی آراء کے سلسلہ میں لکھی جس کا نام'' **الاستیعاب**'' ہے، اس کتاب میں صرف امام مالک کے اقوال و آراء ہیں، ابن فرحون نے اس کا تذکرہ کیا ہے۔

امام مالک کی تصنیفات کی یہ وہ تعداد اور تفصیل ہے جو ہمیں معلوم ہوسکی، اس کے علاوہ بھی کئی تصنیفات ہیں، خطیب ابوبکر نے اپنی '' تاریخ کبیر'' میں ابوالعباس سراج نیساپوری کے حوالہ سے لکھا ہے کہ یہ سات ہزار مسائل امام مالک کے ہیں اور کچھ دیگر کتابوں کی طرف بھی اشارہ کیا ہے، ابن فرحون نے اس کا بھی تذکرہ کیا ہے۔

۱۷۔ ''مؤطا'' بروایت ابن یحیی مصمودی۔

ہندوستان، پاکستان اور قاہرہ سے یہ کتاب بار بار طبع ہوچکی ہے، استاد فؤاد عبدالباقی کی تحقیق و ترقیم اور تخریج و تعلیق کے ساتھ قاہرہ سے بھی چھپ چکی ہے، عبدالوھاب عبداللطیف کی تحقیق کے ساتھ'' موطأ '' بروایت امام محمد بھی قاہرہ سے چھپ چکی ہے۔

اگلے صفحات میں'' موطأ '' پر تفصیلی روشنی ڈالی جارہی ہے۔

باب دوم

موطأ امام مالک

تألیف ــــــ اہمیت ــــــ خصائص

اسلام میں ''موطأ'' کا مقام

''موطأ'' اپنے زمانہ کی بہترین کتاب ہے جو لوگوں کے لئے منصۂ شہود پر آئی، ابوبکر بن العربی ''شرح الترمذی'' میں فرماتے ہیں کہ ''موطأ'' ہی نقش اول اور بنیادی کتاب ہے اور کتاب البخاری کی حیثیت اس باب میں نقش ثانی کی ہے، اور مسلم و ترمذی جیسے بعد کے مؤلفین نے انہی دونوں کتابوں پر اپنی تالیفات کی بنیاد رکھی ہے۔(۱)

شاہ ولی اللہ دہلوی اپنی کتاب ''مسوی'' میں فرماتے ہیں: ''تمام کتابوں میں سب سے زیادہ صحیح، سب سے زیادہ مشہور اور قدیم ترین اور جامع ترین کتاب ''موطأ امام مالک'' ہے،(۲) امت مسلمہ کا جم غفیر بالاتفاق اس پر عمل پیرا ہے، لوگوں نے ہمیشہ اس کی روایت و درایت میں تحقیق و تدقیق کی ہے اور بڑے بڑے ائمہ فن نے کتاب کی تشریح و توضیح اور اس کے احکام و مسائل بیان کرنے کی طرف توجہ دی ہے۔

مختلف مسالک فقہ پر غائرانہ نظر ڈالنے والا یقیناً اعتراف کرے گا کہ ''موطأ''، جس طرح فقہ مالکی کی اساس و بنیاد ہے، اسی طرح مسلک شافعی اور مسلک حنبلی کی بھی اساس و بنیاد ہے اور امام ابوحنیفہ اور صاحبین کے مسلک حنفی کی بھی دلیل اور چراغ راہ ہے۔

---

(۱) دیکھئے: ''عارضۃ الأحوذی'' (۱/۵)۔ (۲) ''المسوی'' (۱/۶۲، ۶۳)۔

''موطأ'' سے ان مسالک فقہیہ کی نسبت وہی ہے جو متن کے سامنے شرح کی اور درخت کے لیے شاخوں کی ہوتی ہے، ''موطأ'' پر گہری نظر ڈالنے سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہوجاتی ہے کہ صحیح مسلم اور سنن ابی داود ہوں یا صحیح البخاری اور جامع الترمذی سب ''موطأ'' کے نقش قدم پر ہیں، ان کا مطمح نظر ''موطأ'' کے مراسیل کا وصل، موقوفات کا رفع، استدراک مافات اور مسانید کے متابعات وشواہد کا بیان ہے۔

''مصفّٰی'' میں شاہ ولی اللہ دہلوی فرماتے ہیں: ''یقینی طور پر کہا جاسکتا ہے کہ آج امت کے ہاتھ میں فقہ کے موضوع پر ''موطأ'' سے زیادہ طاقتور کوئی کتاب نہیں ہے، اس لئے کہ کسی کتاب کا مقام ومرتبہ اور درجہ ورتبہ اس کے مؤلف کی وجہ سے بلند ہوتا ہے یا شہرت وقبول کی وجہ سے یا حسن ترتیب اور مقاصد کے استیعاب کی وجہ سے، اور ''موطأ'' میں یہ سب خصوصیات بدرجۂ اتم موجود ہیں۔(۱)

شیخ شنقیطی اپنی کتاب " دليل المسالك إلى موطأالإمام مالك " میں فرماتے ہیں: ''محدثین کے نزدیک یہ بات یقینی اور طے شدہ ہے کہ کتب ستہ کے مؤلفین اور ان کے معاصرین مثلاً امام احمد بن حنبل، ان میں سے اکثر امام مالک کے شاگرد اور تلمیذ ہیں، ان سب نے امام مالک سے ان کی ''موطأ'' کو مختلف روایتوں سے حاصل کیا ہے، اور ہر روایت میں کچھ ایسے اضافے ہیں جو

---

(۱) دیکھئے: ''مقدمۃ أوجز المسالک'' (۷۹/۱)۔

دوسروں کی روایت میں نہیں ہیں اور پھران سب حضرات وائمہ نے اپنی تصنیفات میں ''موطأ'' کی تمام حدیثوں کو بیان کیا ہے، بہت سے مراسیل اور موقوف و منقطع حدیثوں کا اتصال کیا ہے، شیخ شنقیطی کی مذکورہ عبارت سے حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کی بات مزید منقح اور واضح ہو جاتی ہے۔

''موطأ'' کی وجہ تالیف:

ابن عبد البر، فضل بن محمد بن حرب مدنی سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: مدینہ میں ''موطأ'' کے طرز پر سب سے پہلے عبد العزیز بن ابو سلمہ ماجشون نے ایک کتاب تصنیف کی، لیکن انہوں نے اس میں صرف فقہی کلام کیا تھا حدیثیں بیان نہیں کی تھیں، وہ کتاب امام مالک کے پاس لائی گئی، امام مالک نے اس پر ایک نگاہ ڈالتے ہی فرمایا، کام تو بہت اچھا کیا ہے لیکن اگر میں یہ کام کرتا تو پہلے احادیث بیان کرتا، اور پھر ان احادیث کی روشنی میں فقہی کلام کرتا، یہ تبصرہ فرمانے کے بعد امام مالک کے ذہن میں خود تصنیف کرنے کا خیال آیا اور پھر ''موطأ'' کی تصنیف عمل میں آئی۔

ابو مصعب بیان کرتے ہیں کہ ابو جعفر منصور نے امام مالک سے کہا: ایک کتاب ایسی تصنیف فرمایئے، جس پر تمام لوگوں سے عمل کرا سکوں، امام مالک نے ابتداءً عذر پیش فرمایا، لیکن ابو جعفر نے اصرار کے ساتھ تصنیف کے لئے کہا اور یہ بھی فرمایا کہ اس کے صرف آپ مستحق ہیں، اس لئے کہ آج روئے زمین پر آپ سے بڑا کوئی عالم نہیں ہے، اس کے بعد امام مالک نے ''موطأ'' کی تالیف

فرمائی، لیکن ابوجعفر کی وفات سے پہلے ''موطأ'' کی تالیف مکمل نہیں ہوسکی تھی۔

ایک روایت میں ہے کہ منصور نے کہا: علم کو محفوظ فرمایئے یعنی ایک کتاب تالیف فرمایئے جس میں ابن عمر کی سختیاں ہوں نہ ابن عباس کی رخصتیں اور نہ ہی عبد اللہ بن مسعود کے شواذ (تفردات) (رضی اللہ عنھم اجمعین) بلکہ معتدل مسلک ہو اور ایسے مسائل واحکام ہوں جن پر صحابہ اور ائمہ کا اتفاق عام ہو۔(۱)

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: امام مالک نے ''موطأ'' تصنیف فرمائی جس میں اہل حجاز کی قوی حدیثوں کو بیان کیا اور صحابہ وتابعین اور ان کے بعد والوں کے کلام کو بھی اس کے ساتھ شامل فرمایا۔(۲)

ایک ضروری تنبیہ:

خطیب کہتے ہیں کہ ہارون رشید نے امام مالک سے کہا: کیا بات ہے کہ ہم آپ کی کتاب ''موطأ'' میں حضرت علیؓ اور حضرت ابن عباسؓ کی حدیثیں نہیں دیکھتے، امام مالک نے فرمایا: ''امیر المومنین! اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ دونوں بزرگ ہمارے شہر مدینہ میں فروکش نہیں تھے اور میں ان دونوں بزرگوں کے تلامذہ سے بھی نہیں مل سکا۔''

اگر اس مذکورہ واقعہ کو صحیح مانا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ انہوں نے بہت زیادہ حدیثیں نہ پائے جانے کے بارے میں سوال کیا ہوگا، اس لئے کہ ''موطأ'' میں ان دونوں حضرات سے کئی حدیثیں مروی ہیں۔(۳)

---

(۱)''المدارک''(۲/۷۲،۷۳)۔(۲)''مقدمۃ فتح الباری''(ص۴)۔(۳)''شرح الزرقانی''(ص۱۲)۔

''اوجز المسالک''میں حضرت شیخ الحدیث تحریر فرماتے ہیں:''میرے نزدیک زیادہ قابل ترجیح بات یہ ہے کہ اس واقعہ کے بعد ہی امام مالک نے ان دونوں بزرگوں کی روایات کو اپنی کتاب میں بیان کیا ہوگا، اس لئے کہ یہ بات سب کو معلوم ہے کہ امام مالک ہر سال ''موطأ''میں تنقیح اور حذف واضافہ کا عمل فرماتے رہتے تھے، اسی لئے مختلف نسخوں میں کمی بیشی بھی پائی جاتی ہے۔

''موطأ'' کی وجہ تسمیہ:

ابو حاتم رازی سے دریافت کیا گیا کہ ''موطأ مالک'' کو''موطأ'' کا نام کیوں دیا گیا؟ انہوں نے جواب دیا کہ امام مالک نے اس کو مرتب کر کے لوگوں کے لئے''سہل و آسان'' بنادیا ہے، اور اس کی نسبت امام مالک کی طرف ویسی ہی ہے جیسے''جامع سفیان''میں نسبت پائی جاتی ہے۔

امام مالک فرماتے ہیں:اس کتاب کو لکھنے کے بعد میں نے مدینہ کے ستر فقہاء کے سامنے اس کو پیش کیا، سب ہی نے مجھ سے اتفاق کیا، اس لئے میں نے اس کا نام''موطأ''رکھ دیا (یعنی اتفاق کیا ہوا یا جس پر سب کا اتفاق ہو)۔

ابن فہر کہتے ہیں: امام مالک سے پہلے کسی نے اپنی تصنیف کا یہ نام نہیں رکھا، آپ کے زمانہ کے مؤلفین میں سے کسی نے اپنی تالیف کا نام''جامع''رکھا، کسی نے''مؤلف''، کسی نے''مصنف''رکھا،''موَطا'' پہلی بار امام امالک نے اپنی کتاب کا نام رکھا،''موطأ''کے لغوی معنی''روندا ہوا''اور''کھلا ہوا''ہے۔

قاموس میں " وطئ یطأ' کے معنی روندنا، تیار کرنا اور نرم وسہل بنانا

ہے،" واطأه " کے معنی اتفاق کرنا " رجل موطأ الأكناف " کے معنی ہیں نرم" موطأ العقب" کے معنی ہیں قابل اتباع سلطان، یہ تمام معانی بطور استعارہ یہاں مراد لئے جاسکتے ہیں۔

''موطأ''اور امام مالک کا اخلاص:

زرقانی کہتے ہیں کہ امام مالک جب''موطأ'' کی تصنیف سے فارغ ہوئے توانہیں اپنے اخلاص کے بارے میں شک ہوا، چنانچہ''موطأ'' کو پانی میں ڈال کر کہا کہ اگر یہ پانی میں بھیگ گئی تو پھر مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے، لیکن یہ اخلاص کی برکت تھی کہ''موطأ'' کا کچھ بھی حصہ پانی میں تر نہیں ہوا۔(۱)

کہا جاتا ہے کہ امام نے جب یہ کتاب تصنیف کی تو مدینہ کے دوسرے علماء نے بھی اسی طرز سے احادیث کے مجموعے تیار کئے،لوگوں نے امام مالک سے جا کر بیان کیا تو فرمایا کہ ان کی کتابیں لاؤ، ذرا دیکھوں، پھر دیکھنے کے بعد فرمایا کہ'' صرف اخلاص اور حسن نیت کو بقا ہے''، پھر دنیا نے دیکھا کہ ''موطأ مالک'' کے سوا اور کوئی''موطأ'' دنیا میں باقی نہیں رہی۔

مہدی:

خلیفہ مہدی نے بھی ایک مرتبہ امام مالک سے اپنے والد کی طرح درخواست کی کہ آپ اجازت دیں تو میں لوگوں کو''موطأ'' کی اتباع کرنے کو کہوں،لیکن امام مالک نے اس سے اتفاق نہیں کیا۔

---

(۱)''شرح الزرقانی''(۱۲/۱)۔

’’موطأ‘‘ اور ہارون رشید:

ابونعیم ’’حلیہ‘‘ میں امام مالک کا قول نقل کرتے ہیں کہ ہارون رشید نے ’’موطأ‘‘ کو کعبۃ اللہ پر آویزاں کرنے اور لوگوں سے اس پر عمل کرانے کے بارے میں مجھ سے مشورہ کیا تو میں نے ہارون رشید کو یہ کہہ کر اس سے روکا کہ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب فروع میں مختلف ہیں اور وہ مختلف علاقوں میں پھیل چکے ہیں، سب کے سب ’’مصیب‘‘ (راہ صواب پر) ہیں، ہارون رشید مطلب سمجھ گئے اور ایسا کرنے سے باز رہے۔(۱)

ابن سعد ’’طبقات‘‘ میں امام مالک سے روایت کرتے ہیں کہ جب خلیفہ منصور حج کے لئے آئے تو مجھ سے کہا کہ میرا ارادہ ہے کہ آپ کی کتابوں کے نسخے تیار کراؤں اور ہر بڑے شہر میں ایک نسخہ بھیج کر لوگوں کو اس کے مطابق عمل کرنے کا فرمان جاری کر دوں، لیکن میں نے کہا کہ ایسا نہ کیجئے، اس لئے کہ دوسرے ذرائع سے لوگوں کے پاس مختلف اقوال پہونچ چکے ہیں، انہوں نے حدیثیں بھی سن رکھی ہیں، روایتیں بھی کرتے ہیں، جس کے پاس پہلے سے جو قول پہونچ چکا ہے اس کے مطابق وہ عمل کر رہا ہے، اس لئے آپ کوئی نئی بات نہ ہونے دیجئے، بلکہ لوگوں کو چھوڑ دیجئے تاکہ ہر علاقہ کے لوگ اپنے لئے جو مسلک پسند کریں اس کے مطابق عمل کریں۔

---

(۱) ’’حلیۃ الأولیاء‘‘ (۳۳۲/۴)۔

امام شافعی کی شہادت واعتراف:

ابن شاکر " کتاب مناقب الشافعی " میں نقل کرتے ہیں کہ امام شافعی نے ''موطأ'' کا تذکرہ فرمایا اور کہا کہ ہمارے علم میں متقدمین میں کوئی نہیں ہے جس نے ''موطأ امام مالک'' سے بہتر کتاب تصنیف کی ہو، امام مالک نے اپنی کتاب میں غیر مرغوب روایتیں بالکل درج نہیں کی ہیں، جیسا کہ دیگر مؤلفین نے کیا، اور مجھے معلوم ہے کہ امام مالک نے اپنی کتاب میں کوئی ایسی حدیث ذکر نہیں فرمائی جس میں کسی صحابی کا ذکر ہو بجز اس حدیث کے:

" ليذادَنَّ رجال عن حوضي.................."(۱)

امام شافعی فرماتے ہیں کہ میں نے ایک ایسے شخص سے سنا جس نے امام مالک کو فرماتے ہوئے سنا کہ انہوں نے یہ حدیث روایت تو کی لیکن ان کی خواہش تھی کہ یہ حدیث ''موطأ'' میں ذکر نہ کرتے۔

ابن فہر امام شافعی سے روایت کرتے ہیں کہ امام شافعی نے فرمایا: روئے زمین پر کتاب اللہ کے بعد امام مالک کی کتاب سے زیادہ صحیح کوئی کتاب نہیں ہے، ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں ''کتاب اللہ کے بعد ''موطأ'' سے بڑھ کر نفع بخش کوئی کتاب نہیں''۔

---

(۱) ''تنویر الحوالک'' (ص۵۲) وغیرہ کے نسخہ میں یہی روایت ہے، لیکن بعض نسخوں میں ''فلایذادنّ'' ہے، ''موطأ'' امام مالک میں بھی یہی الفاظ ہیں، (کتاب الطہارۃ ح ۲۸)، لیکن ہر روایت کا اپنا ایک محمل ہے، جس کی وضاحت ''أوجز المسالک'' میں موجود ہے (۱/۴۰۳)۔

امام شافعی کے بارے میں امام احمد بن حنبل نے فرمایا: میں نے دس سے زیادہ حفاظ حدیث سے ''موطأ'' کو سنا پھر میں نے امام شافعی کے سامنے پڑھا، اس لئے کہ ان میں سب سے زیادہ ضبط وحفظ میں میں نے ان ہی کو ممتاز پایا۔(۱)

''موطأ'' اور ''بخاری'' کا موازنہ:

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں: بعض ائمہ نے بخاری کی کتاب کو امام مالک کی کتاب پر اصح قرار دینا مشکل بتایا ہے، کیونکہ دونوں ہی صحت اور انتہائی حزم واحتیاط سے کام لیتے ہیں، بخاری کی روایات اگرچہ زیادہ ہیں مگر یہ صحت کی افضلیت کو مستلزم نہیں ہیں۔(۲)

اس کا جواب یہ ہے کہ بخاری کی اہمیت دراصل اشتراط صحت ہی کی بناء پر ہے، اور امام مالک چونکہ انقطاع اسناد کو قادح نہیں سمجھتے اس لئے مرسل، منقطعات، بلاغات کو اصل موضوع کتاب ہی میں نقل کرتے چلے آتے ہیں اور امام بخاری انقطاع کو چونکہ علت قادحہ سمجھتے ہیں اس لئے ایسی روایات کو وہ تعلیقات وتراجم میں (جو اصل موضوع کتاب سے خارج ہے) درج کرتے ہیں اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ منقطع روایات اگرچہ کچھ لوگوں کے نزدیک قابل احتجاج ہیں مگر پھر بھی بہ نسبت اس کے متصل روایات جبکہ دونوں کے رواۃ عدالت وحفظ میں مشترک ہوں زیادہ قوی ہیں، اس سے بخاری کی فضیلت عیاں ہوگئی، نیز یہ معلوم ہوا کہ امام شافعی نے جو''موطأ'' کو صحت میں افضل بتایا

(۱) دیکھئے: ''مقدمۃ اوجز المسالک'' (۸۱/۱)، ''المدارک'' (۹۱/۱)۔(۲) ''مقدمۃ فتح الباری'' (۱۹۱/۱)۔

ہے وہ ان مجموعوں کے لحاظ سے تھا جو ان کے زمانہ میں موجود تھے، مثلاً جامع سفیان ثوری، مصنف حماد بن سلمہ وغیرہ، ان پر ''موطأ'' کی فضیلت بلاکسی نزاع واختلاف کے مسلم ہے۔

امام نووی ''تقریب'' میں فرماتے ہیں: ''صرف صحیح احادیث'' کی پہلی تصنیف ''صحیح البخاری'' ہے............''۔

سیوطی کہتے ہیں کہ ''صرف صحیح'' کی قید اس لئے لگائی کہ یہ اعتراض نہ ہو کہ صحیح حدیثوں کی سب سے پہلی تصنیف تو امام مالک نے کی پھر احمد بن حنبل اور دارمی نے۔(۱)

عراقی کہتے ہیں کہ اس کا صحیح جواب یہ ہے کہ امام مالک نے صرف صحیح حدیثیں درج کرنے پر اکتفا نہیں کی بلکہ اس میں مرسل، منقطع اور بلاغات بھی شامل ہیں اور بلاغات میں بعض ایسی بھی حدیثیں ہیں جو غیر معروف ہیں، ابن عبدالبر نے بھی اس کا تذکرہ کیا ہے، اس لئے وہ صرف صحیح احادیث کی تصنیف نہیں ہے۔

مغلطائی کہتے ہیں: یہ جواب بہتر نہیں ہے کیونکہ بخاری میں بھی اسی طرح کی حدیثیں موجود ہیں، شیخ الاسلام کہتے ہیں: ''موطأ'' امام مالک اور ان کے متبعین کے نزدیک اس لحاظ سے صحیح ہے کہ ان حضرات کے نزدیک مرسل ومنقطع وغیرہ سے احتجاج درست ہے۔

---

(۱) دیکھئے: ''تدریب الراوی'' (۹۷/۱)۔

مزید فرماتے ہیں: ''موطأ'' اور ''بخاری'' کی منقطع حدیثوں میں فرق یہ ہے کہ ''موطأ'' کی حدیثیں امام مالک کے نزدیک مروی و مسموع اور حجت ہیں اور بخاری میں جو منقطع احادیث ہیں ان کی سند تخفیفاً یا تنویعاً قصداً حذف کی گئی ہے اور یہ حذف کبھی استشہاد اور کبھی استثناء یا کسی بات پر تنبیہ کرنے کی غرض سے ہوتا ہے، اس سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ ''بخاری'' میں صرف صحیح حدیثیں ہیں جبکہ ''موطأ'' میں صحیح کے ساتھ منقطع بھی ہیں، لیکن یہ بھی مسلّم ہے کہ دونوں اعتبار سے دونوں باتیں صحیح ہیں، سیوطی نے اپنے ''الفیہ'' میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔

حافظ مغلطائی کہتے ہیں: سب سے پہلے صحیح تصنیف کرنے والے امام مالک ہیں، حافظ کہتے ہیں: یہ بات میرے نزدیک اور ان تمام لوگوں کے نزدیک درست ہے جو منقطع اور مرسل حدیثوں کو صحت میں قادح نہیں سمجھتے، البتہ اہل علم کے نزدیک رائج اور معروف تعریف کے لحاظ سے صحیح نہیں ہے۔

اس پر علامہ سیوطی نے نقد کیا ہے کہ ''موطأ'' کے مراسیل تو امام مالک اور ان کے ہم خیال علماء کے نزدیک بیشک حجت ہیں اور ایسی مرسل حدیث تو ہمارے نزدیک بھی حجت ہے، بشرطیکہ دوسری اسانید سے اس کی تائید ہورہی ہو اور ''موطأ'' کی ہر مرسل حدیث کے متابعات و شواہد موجود ہیں، اس لئے ''موطأ'' مطلقاً صحیح ہے، (کما قال الزرقانی)۔(۱)

---

(۱) ''شرح الزرقانی'' (۸/۱)۔

’’موطأ‘‘ کا کتب حدیث میں مقام:

جمہور علماء نے طبقات کتب حدیث میں ’’موطأ‘‘ کو طبقۂ اولیٰ میں شمار کیا ہے، ہمارے شیخ المشایخ حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی نے اپنی کتاب ’’فیما یجب حفظه للناظر‘‘ میں اسی رائے کو اختیار فرمایا ہے، انہوں نے کتب حدیث کے پانچ طبقات قائم کئے ہیں جن میں صحیحین اور ’’موطأ‘‘ کو طبقۂ اولیٰ میں رکھا ہے، اس سے پہلے شاہ ولی اللہ دہلوی بھی ’’حجۃ اللہ البالغۃ‘‘ میں اس خیال کا اظہار فرما چکے ہیں۔(۱)

صاحب ’’مفتاح السعادۃ‘‘ نے کتب حدیث کی یہ ترتیب قائم کی ہے، بخاری، مسلم، ابوداود، ترمذی، نسائی۔

پھر فرماتے ہیں کہ امام نووی نے ان ہی مذکورہ پانچ کتابوں کو شمار کیا ہے جب کہ جمہور کے نزدیک کتب اصول چھ ہیں، مذکورہ بالا پانچ اور ’’موطأ مالک‘‘، مزید فرماتے ہیں کہ جمہور نے ’’موطأ مالک‘‘ کو ترمذی کے بعد اور نسائی سے پہلے رکھا ہے جب کہ صحیح یہ ہے کہ اس کو مسلم کے بعد رکھنا چاہئے۔

’’سیر أعلام النبلاء‘‘ میں حافظ ذہبی ابن حزم اندلسی ظاہری کے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ میں نے ابن حزم کو دیکھا کہ ایک مرتبہ انہوں نے کسی کا یہ جملہ نقل فرمایا کہ ’’سب سے زیادہ قابل تعظیم تصنیف ’’موطأ‘‘ ہے‘‘، اس پر انہوں نے رائے ظاہر کی کہ سب سے زیادہ لائق تعظیم صحیح بخاری، صحیح مسلم اور صحیح ابن السکن وغیرہ ہیں پھر ان کے بعد ابوداود، نسائی، مصنف قاسم بن اصبغ، مصنف ابی جعفر طحاوی ہیں۔

---

(۱) ’’حجۃ اللہ البالغۃ‘‘ (۱/۱۳۳)۔

ابن ماجہ اور جامع ترمذی کا اس لئے ذکر نہیں فرمایا کہ اس وقت انہوں نے دونوں کتابوں کو دیکھا ہی نہیں تھا، یہ دونوں کتابیں ان کی وفات کے بعد اندلس پہونچی ہیں، پھر انہوں نے مسند بزار، مسند ابن ابی شیبہ، مسند احمد ابن حنبل اور ان جیسی کتابوں کا نام لیا جن میں صرف رسول اللہ ﷺ کی احادیث ہیں۔(۱)

پھر دوسرے طبقہ میں وہ کتابیں ہیں جن میں احادیث نبویہ کے ساتھ ساتھ دوسروں کا بھی کلام شامل ہے، مثلاً مصنف عبد الرزاق، مصنف ابن ابی شیبہ وغیرہ، پھر مصنف حماد بن سلمہ، ''موطأ مالک بن انس''، ''موطأ ابن ابی ذئب''، ''موطأ ابن وہب'' وغیرہ۔

حافظ ذہبی کہتے ہیں کہ ابن حزم نے انصاف سے کام نہیں لیا، کیونکہ صحیح بات تو یہ ہے کہ ''موطأ مالک'' کو صحیحین کے بعد ابوداؤد اور نسائی کے ساتھ ذکر کرنا چاہئے، ہاں یہ کہا جائے کہ انہوں نے ادباً مسند احادیث نبویہ کو مقدم رکھا، بیشک دلوں پر ''موطأ'' کا ایک اثر اور رعب واہمیت ہے۔

علامہ عبد الحی لکھنوی ''مؤطا'' پر اپنے حاشیہ میں ابن حزم کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ ترتیب کا اختلاف مختلف اعتبار سے ہے، جس نے کلام رسول اور غیر کلام رسول کے اختلاط اور اندراج کو دیکھا اس نے ''موطأ'' کو مؤخر کیا اور جس نے روایتوں کی صحت وجودت پر نگاہ ڈالی اس نے مقدم رکھا۔(۲)

---

(۱) ''سیر أعلام النبلاء'' (۲۰۲/۱۸)۔

(۲) ''التعلیق الممجد'' (۷۶/۱)

''تدریب الراوی'' میں علامہ سیوطی، ابن حزم کی بات زیادہ واضح لفظوں میں بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں: ابن حزم کہتے ہیں کہ سب سے بہتر صحیحین ہیں، پھر صحیح سعید بن السکن اور المنتقیٰ لابن الجارود اور منتقی قاسم بن اصبغ ہیں، ان کے بعد ابوداود، نسائی، مصنف قاسم بن اصبغ، مصنف طحاوی اور مسند بزار، مسند احمد بن حنبل، مسند ابی بکر بن ابی شیبہ و مسند عثمان بن ابی شیبہ، مسانید ابن راہویہ اور طیالسی(۱)، حسن بن سفیان، مستدرک، اور ابن سنجر، یعقوب بن شیبہ، علی بن المدینی، ابن ابی عزرہ اور ان جیسی کتابوں کا درجہ ہے، جن میں صرف رسول اللہ ﷺ کی احادیث مبارکہ ہیں اور پھر ان کے بعد وہ کتابیں ہیں جن میں کلام رسولؐ کے ساتھ دوسروں کے کلام کو بھی درج و شامل کیا گیا ہے۔ پھر ان میں جو صحیح ہے وہ زیادہ لائق تعظیم ہے۔ مثلاً مصنف عبدالرزاق، مصنف ابن ابی شیبہ، مصنف بقی بن مخلد، کتاب محمد بن نصر مروزی، کتاب ابن المنذر، پھر مصنف حماد بن سلمہ، مصنف وکیع، مصنف زریابی، موطأ مالک، موطأ ابن ابی ذئب، موطأ ابن وہب، مسائل ابن حنبل، فقہ ابی عبید، فقہ ابی ثور اور اس طرز کی کتابیں، مثلاً حدیث شعبہ، سفیان، لیث، اوزاعی، حمیدی، ابن مہدی، مسدد وغیرہ، یہی ''موطأ مالک'' کا طبقہ ہے، ان میں کوئی ان سے بھی زیادہ صحیح احادیث کی جامع ہے اور بعض اسی کے مثل ہے اور بعض اس سے کم تر۔

---

(۱) یہ ابوداود ابن الجارود طیالسی ہیں، یہ اصلاً ایران کے رہنے والے تھے، بصرہ میں سکونت اختیار کر لی تھی، آپ کی وفات ۲۰۳ھ میں ہوئی۔

''موطأ'' کے بارے میں بشارتیں:

محمد بن ربیع کہتے ہیں: میں اپنے والد کے ساتھ حج کے لئے گیا، اس وقت میں بہت چھوٹا تھا، مسجد نبوی میں مجھے نیند آ گئی، میں نے خواب میں دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہما کا سہارا لئے اپنی قبر شریف سے باہر تشریف لائے، میں نے اٹھ کر سلام کیا، آپ ﷺ نے سلام کا جواب دیا، میں نے پوچھا: یا رسول اللہ ﷺ! کہاں تشریف لے جا رہے ہیں، فرمایا: مالک کے لئے سیدھی راہ بنانے جا رہا ہوں، اتنے میں میری آنکھ کھل گئی، میں اپنے والد کے ساتھ امام مالک کے پاس پہونچا تو لوگوں کو امام مالک پر متفق پایا، اس زمانہ میں انہوں نے لوگوں کے لئے ''موطأ'' تصنیف فرمائی تھی۔

محمد بن عبدالحکم کہتے ہیں: میں نے محمد بن السری کو فرماتے ہوئے سنا کہ میں نے خواب میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت کی تو میں نے درخواست کی کہ کوئی ایسی بات بیان فرمائیں جو آپ کی طرف سے لوگوں کو بتاؤں، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ابن السری! میں نے مالک کے پاس ایک خزانہ رکھوا دیا ہے وہ تم لوگوں پر تقسیم کریں گے، اور وہ ''مؤطا'' ہے، اللہ کی کتاب اور میری سنت کے بعد باتفاق مسلمین کوئی کتاب نہیں ہے جو ''موطأ'' سے زیادہ صحیح ہو، اس کو سنو اور فائدہ اٹھاؤ۔(۱)

---

(۱) ''مقدمۃ التعلیق الممجد'' (ص۲۷)

روایات ''موطأ'' کی تعداد:

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی فرماتے ہیں: امام مالک نے ''موطأ'' میں تقریباً دس ہزار حدیثیں جمع فرمائی تھیں، پھر برابر چھان پھٹک کر کے اس میں حذف واضافہ فرماتے رہے یہاں تک کہ اس میں موجودہ تعداد میں حدیثیں رہ گئیں۔(۱)

ابن الہیاب کہتے ہیں کہ امام مالک نے ایک لاکھ حدیثیں روایت کی تھیں جن میں سے دس ہزار ''موطأ'' میں جمع فرمائی تھیں، پھر کتاب وسنت اوراخبار وآثار سے ملانے اور چھان پھٹک کرنے کے بعد صرف پانچ سو حدیثیں رہ گئیں۔

الکیاالہراسي ''اصول'' پر اپنی تعلیق میں لکھتے ہیں: ''موطأ مالک'' میں نو ہزار حدیثیں تھیں، امام مالک برابر انتخاب وتہذیب فرماتے رہے، یہاں تک کہ سات سو حدیثیں باقی رہ گئیں۔

''مدارک'' میں ہے کہ امام مالک نے جب ''موطأ'' تصنیف فرمائی تو اس میں چار ہزار سے بھی زیادہ حدیثیں تھیں، اور جب انتقال فرمایا ہے تو اس میں ایک ہزار سے کچھ زیادہ حدیثیں رہ گئیں، امام مالک سال بہ سال ''موطأ'' کی تہذیب وتلخیص فرماتے رہتے اور مسلمانوں کے لئے زیادہ مفید اور دین کی نمائندگی کرنے والا حصہ باقی رکھتے۔

---

(۱) ''مصفی'' (۱/۸)۔

ابوبکر ابہری کہتے ہیں: ''موطأ'' میں تمام حدیثوں کی تعداد سترہ سو بیس ہے، جس میں مسند ومرفوع چھ سو ہیں اور غیر مسند اکسٹھ حدیثیں ہیں، لیکن یہ سب دوسرے واسطوں سے مسند ومرفوع ہیں بجز چار احادیث کے جن کا تذکرہ آگے آئے گا۔

''بستان المحدثین'' میں ہے کہ غافقی نے ''موطأ'' کے بارہ نسخوں سے ایک مسند مرتب فرمائی جس کے آخر میں لکھا ہے کہ اس مسند کی مرویات کی تعداد چھ سو چھیاسٹھ ہے، ستانوے حدیثیں ایسی ہیں جن میں نسخوں کا اختلاف ہے، بعض نسخوں میں بعض ایسی حدیثیں ہیں جو دیگر نسخوں میں نہیں ہیں، بقیہ حدیثیں تمام نسخوں میں موجود ہیں، مرسل احادیث کی تعداد ستائیس ہے اور پندرہ موقوف حدیثیں ہیں۔

ابوبکر ابہری کہتے ہیں کہ ''موطأ'' کی جملہ روایات کی تعداد سترہ سو بیس ہے، جس میں مسند حدیثیں چھ سو ہیں، مرسل دوسو بائیس، موقوف چھ سو تیرہ، تابعین کے اقوال وفتاوے دوسو پچاسی ہیں۔

حافظ ابن عبدالبر امام اوزاعی کے شاگرد عمر بن عبدالواحد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ ہم نے امام مالک کے سامنے چالیس دن میں ''موطأ'' پڑھ لی، تو امام مالک نے فرمایا: ''میں نے تو چالیس سال میں اس کی تصنیف کی ہے اور تم لوگوں نے چالیس ہی دن میں پڑھ کر ختم کر ڈالا، کیا خاک سمجھ میں آئے گی''۔

ابونعیم ''حلیۃ'' میں ابوخلید کے بارے میں لکھتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے امام مالک کے پاس چار دن رہ کر پوری ''موطأ'' پڑھی تو امام مالک نے فرمایا: شیخ نے تو ساٹھ سال میں ایک علم کو جمع کیا اور تم لوگ چار دن میں حاصل کرنا چاہتے ہو، کبھی نہ سمجھ سکو گے۔(۱)

''موطأ'' کے مراسیل وبلاغات:

حافظ جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں: ''موطأ'' کے تمام مراسیل کے متابعات وشواہد موجود ہیں، اس لئے علی الاطلاق ''موطأ''، مکمل صحیح ہے۔

امام دہلوی ''مسوی'' میں لکھتے ہیں کہ مسند دارمی کی تصنیف ''موطأ'' کی احادیث کے بیان اسناد کے لئے ہی ہوئی ہے، ابن عبد البر نے مستقل ایک کتاب لکھی ہے جس میں ''موطأ'' کی مرسل، منقطع اور معضل روایات کا اتصال بیان کیا ہے، فرماتے ہیں کہ اس کتاب میں جہاں کہیں بلغني یا عن الثقة عندي آیا ہے اور اس کی سند نہیں بیان کی ہے وہ اکسٹھ جگہیں ہیں، لیکن ان سب روایات کو امام مالک کے علاوہ دوسرے حضرات نے مسنداً بیان کیا ہے، البتہ چار احادیث ایسی ہیں جن کی اسناد معلوم نہیں ہوسکیں(۲)، وہ یہ ہیں:

۱ .إني لا أنسى و لكني أنسى لأسن. (۳)

(۱) ''حلیۃ الأولیاء'' (۱/۳۳۱)۔

(۲) ''تنویر الحوالک'' (ص۸)۔

(۳) ''موطأ امام مالک'' کتاب السہو (ص۸ح۲)

۲. إن رسول الله ﷺ أري أعمار الناس قبله أو ماشاء الله من ذٰلك ، فكأنه تقاصر أعمار أمته أن لا يبلغوا من العمل مثل الذي بلغ غيرہم في طول العمر ، فأعطاه الله ليلة القدر خير من ألف شہر۔(۱)

۳.إن معاذ بن جبل قال : آخر ما أوصانی به رسول الله ﷺ حين وضعت رجلي في الغرز أن قال: '' أحسن خلقك للناس يا معاذبن جبل'' ۔ (۲)

۴۔اذا أنشأت بحرية ثم تشائمت فتلك عين غديقة۔ (۳)

یہاں پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ " دليل المسالك إلى موطأالإمام مالك " سے شیخ علامہ محمد حبیب اللہ شنقیطی کی بات نقل کردیں،وہ صفحہ چودہ پر لکھتے ہیں جہاں یہ شعر درج ہے،

وقد رأيت بعض متقني السنن　　من حاز في كل العلوم خير فن

میں نے بعض ماہر حدیث کو دیکھا　　جنہوں نے سب سے بہتر فن میں کمال پیدا کرلیا ہے۔

---

(۱)''موطأ امام مالک'' کتاب الاعتکاف (ص۱۹ ح۱۵)۔

(۲)''موطأ امام مالک'' کتاب حسن الخلق (ص۷۴ ح۱)۔

(۳)''موطأ امام مالک'' کتاب الاستسقاء (ص۱۳ ح۵)۔

عزا إلى نجل الصلاح أن وصل　　أربعة الأخبار فالكل اتصل

کہ انہوں نے ابن الصلاح کی طرف　　کہ انہوں نے ان چار حدیثوں کی بھی

یہ بات منسوب کی ہے ۔　　سند بیان کرکے ''موطأ'' کی جملہ

حدیثوں کا اتصال ظاہر کر دیا ہے۔

''بعض ماہر حدیث'' سے مراد شیخ صالح فلانی عمری مدنی ہیں، ''الفیۃ العراقی'' کی شرح جو شیخ زکریا انصاری نے لکھی ہے اس کے حاشیہ پر تحریر فرماتے ہیں: " ولا يرد موطأ مالك............إلخ" والی عبارت کے ضمن میں حافظ عراقی کے کلام پر نقد کیا ہے جس میں انہوں نے کہا ہے کہ ان چار احادیث کی اسانید معلوم نہیں، اگر چہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی حافظ عراقی کے کلام کو تسلیم کیا، وہ نہایت عمدہ بات لکھتے ہیں کہ عراقی کی یہ بات کہ ''موطأ میں غیر معروف بلاغات ہیں'' قابل اعتبار نہیں ہے، اس لئے کہ ابن عبدالبر نے ''موطأ'' کے تمام بلاغات و مراسیل اور منقطعات کا اتصال بیان کیا ہے، صرف چار حدیثیں ایسی ہیں جن کی اسناد معلوم نہیں ہے، لیکن ابن الصلاح نے ان چاروں حدیثوں کے بیان اسانید کے لئے بھی ایک مستقل کتاب تالیف فرمائی ہے، وہ کتاب میرے نزدیک موجود ہے، جو انہیں کی تحریر میں ہے، اس سے یہ بات بالکل واضح اور عیاں ہو جاتی ہے کہ بخاری اور ''موطأ'' میں صحت کے لحاظ سے کچھ بھی فرق نہیں رہا، اور یہ کہنا بالکل بجا اور صحیح ہوگا کہ امام مالک نے سب سے پہلے ''صحیح'' کی تصنیف فرمائی، ابن عبدالبر، قاضی ابن العربی، سیوطی، مغلطائی، ابن لیون وغیرہ یہی فرماتے ہیں، (صالح فلانی کی عبارت ختم ہوئی)۔

شیخ حبیب اللہ شنقیطی ابن الصلاح کا تعاقب کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ تعجب ہے کہ ابن الصلاح ''موطأ'' کی تمام احادیث کے اتصال سند سے واقف ہیں حتی کہ ان چار حدیثوں کے اتصال سند کو بھی خوب جانتے ہیں جن سے ابن عبدالبر بھی ناواقف رہے، اس کے باوجود ابن الصلاح ''موطأ'' پر صحیحین ہی کو ترجیح دیتے ہیں، جب کہ ''موطأ'' ہی ان دونوں کا نقش اول اور سرچشمہ ہے، دونوں نے ''موطأ'' کے طریق کو اختیار کیا ہے، اورانہی کے طریق سے احادیث کا استخراج بھی کیا، البتہ یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ صحیحین میں ''موطأ'' سے کچھ زیادہ حدیثیں ہیں۔

یہی اشکال میں نے اپنے فاضل دوست استاد احمد محمد شاکر کے سامنے رکھا تو انہوں نے فرمایا کہ شیخ فلانی نے یہ تو بیان کیا ہے کہ ابن الصلاح نے ان چار احادیث کے اتصال اسانید پر ایک مستقل کتاب تالیف کی ہے، لیکن انہوں نے وہ اسانید نہیں بیان کیں، جس سے ان کے اتصال کا حال معلوم ہو، ان پر اتصال کا حکم اس وقت تک نہیں لگایا جاسکتا ہے جب تک وہ اسانید سامنے نہ آجائیں، پھر دیکھا اور پرکھا جائے کہ وہ سب اسانید متصل ہیں یا غیر متصل، صحیح ہیں یا غیر صحیح۔(۱)

بندہ ناچیز کہتا ہے کہ ہمیں تو ابن الصلاح، امام ولی اللہ دہلوی اور دیگر علماء کے قول پر پورا پورا اعتماد ہے، ان پر اعتماد کر کے ان اسانید کو متصل تسلیم کیا جائے گا۔

---

(۱) ''مقدمہ محمد فواد عبدالباقی''۔

امام مالک کی خاص اصطلاحات:

امام مالک جب ''موطأ'' میں فرماتے ہیں:

۱۔ **السنة التي لا اختلاف فيها عندنا كذا و كذا** (یعنی وہ سنت جس کے بارے میں ہمارے یہاں کوئی اختلاف نہیں ہے) تو اس سے ان کی مراد فقہائے سبعہ اور فقہائے مدینہ کا قول بیان کرنا ہوتا ہے، امام شافعی فرماتے ہیں کہ یہ متفق علیہ مسلک نہیں ہوتا ہے بلکہ امام مالک اور ان کے مشائخ کا قول مختار ہوتا ہے۔

شاہ ولی اللہ دہلوی "الإنصاف في سبب الاختلاف" میں فرماتے ہیں: جب صحابہؓ کے مسالک مختلف ہوں تو ہر عالم کے لئے بہتر یہ ہے کہ اپنے شہر اور شہر کے شیوخ کا مسلک اختیار کرلے، اس لئے کہ وہ اپنے شیوخ کی صحیح وسقیم باتوں کو زیادہ بہتر طور پر سمجھ سکتا ہے اور ان کے اصول کو بھی سمجھ سکتا ہے، اس لحاظ سے حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت عائشہ، حضرت ابن عباس، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم اور ان سب کے اصحاب مثلاً سعید بن المسیب کا مذہب اور قول دوسرے اقوال کے مقابلہ میں اہل مدینہ کے لئے زیادہ قابل اخذ وعمل قرار پائے گا، اور اہل شہر کسی مسئلہ پر متفق ہوں تو پھر اس کو مضبوطی سے تھامنا ان کا مطمح نظر ہونا چاہیے، اور اس کے بارے میں امام مالک فرماتے ہیں: **السنة التي لا اختلاف فيهاعندنا كذا و كذا.**(۱)

---

(۱) ''الإنصاف فی سبب الاختلاف'' (ص ۱۱، ۱۲)۔

۲۔اور اگر کسی مسئلہ میں اہل شہر کا اختلاف ہو تو سب سے قوی اور راجح قول کو اختیار کرنا چاہیے، خواہ یہ قوت کثرت قائلین سے حاصل ہوئی ہو یا کسی قیاس قوی کی موافقت سے یعنی کتاب وسنت کی تخریج سے، اس قسم کے مسائل میں امام مالک یوں فرمایا کرتے ہیں: ”**هٰذا أحسن ما سمعت**“ (جو کچھ میں نے سنا ہے اس میں یہ بہتر ہے)۔

۳۔بسا اوقات کسی باب میں مسائل فقہیہ اور اپنے اجتہادات کو بیان کرتے ہیں، لیکن کوئی حدیث اور اثر ذکر نہیں کرتے۔

۴۔امام مالک کے سامنے بہت سے حدیث کے مجموعے تھے، جب ان میں سے کسی روایت کا انتخاب فرماتے تو اس کو ”بلغني“ کے صیغے سے بیان کرتے۔

۵۔ابن عبدالبر فرماتے ہیں: امام مالک جب ”**عن الثقة عن بكير بن عبد الله الأشج**“ فرماتے ہیں: تو ”ثقہ“ سے مراد مخرمہ بن بکیر ہیں۔

۶۔جب امام مالک ”**عن الثقة عن عمر و بن شعيب**“ کہتے ہیں تو قاضی ابن عبدالبر کے بقول ان سے مراد عبداللہ بن وہب ہیں، ایک قول کے مطابق اس سے مراد زہری ہیں، حافظ ابن حجر کی رائے ہے کہ اس سے عمرو بن الحارث اور ابن لھیعہ میں سے کسی ایک کو مراد لیا جائے۔

۷۔ابن وہب کہتے ہیں کہ امام مالک ”موطأ“ میں ”**أخبرني من لا أتهم من أهل العلم**“ جب فرماتے ہیں تو اس سے مراد لیث بن سعد ہوتے ہیں۔(۱)

---

(۱) دیکھئے: ”تدریب الراوی“ (۳۱۲/۱)۔

۸۔اور جب '' **عن الثقة عن ابن عمر**'' کہتے ہیں تو حافظ ابن حجر کے بقول اس سے مراد نافع ہیں۔

۹۔اور جس حدیث کو مرسلاً عبداللہ بن مسعود سے روایت کرتے ہیں، اس کے راوی عبداللہ بن ادریس اودی ہیں۔

۱۰۔دراوردی کہتے ہیں کہ امام مالک جب فرماتے ہیں'' **علی ھٰذا أدرکت أھل العلم ببلد نا**'' اور '' **الأمر عند نا**'' تو اس سے مراد ربیعہ اور ابن ہرمز ہیں۔(۱)

مدینہ منورہ میں بعض علماء مالکیہ نے ایک اہم بات یہ بتائی کہ ہماری کتابوں میں '' قول مشہور'' تین معنوں میں مستعمل ہے:

۱۔وہ قول دلیل کے اعتبار سے قوی ہو اگر چہ اکثریت اس کی قائل نہ ہو۔

۲۔مشائخ کی ایک جماعت نے وہ بات کہی ہو لیکن دلیل کے اعتبار سے وہ قوی نہ ہو۔

۳۔قول مشہور سے مراد '' مدونہ'' میں ابن القاسم کا قول ہوتا ہے، دوسری کتابوں میں مذکور قول '' غیر مشہور'' کہلاتا ہے، اور اسی تیسرے مفہوم میں یہ لفظ زیادہ مستعمل ہے۔

'' موطأ '' کے رواۃ:

حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی '' بستان المحد ثین'' میں فرماتے ہیں: امام مالک سے '' موطأ '' کی روایت کرنے والے تقریباً ایک ہزار آدمی ہیں، جن میں مشہور یہ ہیں۔

---

(۱) '' ترتیب المدارک'' (۱/۷۵)۔

مدینہ کے رواۃ:

۱۔ معن بن عیسی القزاز۔

۲۔ عبد اللہ بن مسلمہ بن قعنب قعنبی مدنی ثم بصری، انہوں نے نصف ''موطأ'' کو امام مالک سے پڑھا تھا، اور نصف آخر کی سماعت کی تھی۔

۳۔ ابومصعب احمد بن ابی بکر بن القاسم بن الحارث زہری۔

۴۔ بکار بن عبداللہ زبیری۔

۵۔ ابومصعب احمد بن عبداللہ زبیری۔

۶۔ عتیق بن یعقوب۔

۷۔ مطرف بن عبداللہ۔

۸۔ اسماعیل بن ابی اویس عبداللہ۔

۹۔ عبدالحمید بن ابی اویس عبداللہ۔

۱۰۔ ایوب بن صالح۔

۱۱۔ سعید بن داود۔

۱۲۔ محرز المدنی، قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ میری رائے میں یہ ابن ہارون ہدیری ہیں۔

۱۳۔ یحیٰ بن امام مالک (ابن شعبان وغیرہ نے اس کا ذکر کیا ہے)

۱۴۔ فاطمہ بنت امام مالک۔

۱۵۔ اسحاق بن ابرہیم حنینی۔

۱۶۔ عبداللہ بن نافع۔

۱۷۔ سعد بن عبدالحمید انصاری۔

مکہ کے رواۃ:

۱۔ یحیی بن قزعہ۔

۲۔ امام شافعی۔(امام شافعی نے دس سال کی عمر میں صرف ۹ راتوں میں مکہ میں ''موطأ'' حفظ کرلیا تھا پھر امام مالک کے پاس سفر کر کے باضابطہ اس کو حاصل کیا)۔

بصرہ کے رواۃ:

۱۔ عبداللہ بن وہب۔

۲۔ عبدالرحمان بن القاسم۔

۳۔ عبداللہ بن الحکم۔

۴۔ یحیی بن عبداللہ بن بکیر۔(ان کی نسبت کبھی ان کے دادا کی طرف بھی کی جاتی ہے، ''دیباج'' میں ہے کہ انہوں نے سترہ مرتبہ امام مالک سے ''موطأ'' کا سماع حاصل کیا)۔

۵۔ سعید بن کثیر بن عفیر انصاری۔(ان کی نسبت بھی کبھی دادا کی طرف کردی جاتی ہے)۔

۶۔ عبدالرحیم بن خالد۔

۷۔ حبیب بن ابی حبیب ابراہیم۔(ایک قول کے مطابق یہ امام مالک

کے کاتب مرزوق ہیں)۔

۸۔ اشہب۔

۹۔ عبداللہ بن یوسف تنیسی دمشقی۔

۱۰۔ ذوالنون مصری۔

عراق وغیرہ کے رواۃ:

۱۔ عبدالرحمان بن مہدی بصری۔

۲۔ سوید بن سعید بن سہل ہروی۔

۳۔ قتیبہ بن سعید بن جمیل بلخی۔

۴۔ یحیی بن یحیی تمیمی حنظلی نیساپوری۔

۵۔ اسحاق بن عیسی الطباع بغدادی۔

۶۔ محمد بن الحسن الشیبانی۔

۷۔ سلیمان بن برد بن نجیح تجیبی۔

۸۔ ابوحذافہ احمد بن اسماعیل سہمی بغدادی۔(ان کا سماع صحیح اور ثابت ہے)

۹۔ محمد بن شروس صنعانی۔

۱۰۔ ابوقرہ سکسکی موسی بن طارق۔

۱۱۔ احمد بن منصور حرانی۔

۱۲۔ محمد بن مبارک صوری۔

۱۳۔ یحیی بن سعید القطان۔

۱۴۔ اسحاق بن موسی موصلی۔

۱۵۔ بربر المغنی بغدادی۔

۱۶۔ روح بن عبادہ۔

۱۷۔ جویریہ بن اسماء۔

۱۸۔ ابوالولید طیالسی ہشام بن عبدالملک۔

۱۹۔ ابونعیم الفضل بن دکین کوفی۔

۲۰۔ محمد بن یحیٰ سبائی یمانی۔

۲۱۔ ولید بن سائب قریشی۔

۲۲۔ محمد بن صدقہ فدکی۔

۲۳۔ الماضی بن محمد بن مسعود غافقی۔

۲۴۔ محمد بن نعمان بن شبل باھلی۔

۲۵۔ عبیداللہ بن محمد عبشی۔

۲۶۔ محمد بن معاویہ حضرمی۔

۲۷۔ محمد بن بشیر معافری ناجی۔

۲۸۔ یحیی بن مصر قیسی۔

مغرب واندلس کے رواۃ:

۱۔ زیاد بن عبدالرحمان ملقب بہ ''شبطون''۔(امام مالک سے ''موطأ'' کا سماع کیا)۔

۲۔ یحیی بن یحیی لیثی ۔

۳۔ حفص بن عبدالسلام۔

۴۔ حسان بن عبدالسلام۔

۵۔ الغاز بن قیس۔

۶۔ قرعوس بن عباس۔

۷۔ سعید بن عبدالحکم۔

۸۔ سعید بن ابی ہند۔

۹۔ سعید بن عبدوس۔

۱۰۔ عباس بن صالح۔

۱۱۔ عبدالرحمان بن عبداللہ۔

۱۲۔ شخبوط بن عبداللہ انصاری طیلانی۔

قیروان کے رواۃ:

۱۔ اسد بن الفرات۔

۲۔ خلف بن جریر بن فضالہ۔

تونس کے رواۃ:

۱۔ علی بن زیاد۔

۲۔ عیسی بن شجرہ۔

شام کے رواۃ:

۱۔ عبدالاعلیٰ بن مسہر غسانی۔

۲۔ عبد بن حبان دمشقی۔

۳۔ عتبہ بن حماد دمشقی۔

۴۔ مروان بن محمد دمشقی۔

۵۔ عمر بن عبدالواحد سلمی دمشقی۔

۶۔ یحیی بن صالح وحاظی حمصی۔

۷۔ خالد بن نزار ایلی۔

مذکورہ بالا فہرست میں سے اکثر کا تذکرہ کرنے کے بعد قاضی فرماتے ہیں: یہ وہ حضرات ہیں جن کے بارے میں تحقیقی طور پر ثابت ہے کہ انہوں نے امام مالک سے ''موطأ'' کی روایت کی ہے، رجال کی کتابوں میں متکلمین نے بھی اس کی تصریح کی ہے۔

لوگوں نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ محمد بن عبداللہ انصاری بصری نے امام مالک سے ''موطأ'' کی روایت مکاتبۃً کی ہے، اور اسماعیل بن اسحاق نے بطور مناولہ حاصل کیا ہے۔

قاضی ابو یوسف نے ایک واسطہ سے روایت کی ہے یعنی " أسد بن الفرات عن مالك''۔

کہتے ہیں کہ ہارون رشید اور اس کے بیٹوں امین، مامون، اور مؤتمن

نے بھی امام مالک سے ''موطأ'' کو حاصل کیا ہے، خلیفہ مہدی اور ہادی نے بھی ان سے سماع کیا اور روایت کی ہے، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ امام مالک نے مہدی ہی کی خاطر ''موطأ'' تصنیف فرمائی تھی۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ''موطأ'' کے رواۃ اس سے بھی زیادہ ہیں، ہم نے صرف ان حضرات کا تذکرہ کیا ہے جن کی روایت صراحت کے ساتھ ہم کو معلوم ہے۔

بعض فضلائے حدیث فرماتے ہیں: امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں عبدالرحمان بن مہدی کی روایت کو اختیار کیا ہے، بخاری یحیی بن یحیی تمیمی تنیسی کی روایت کو زیادہ پسند کرتے ہیں، امام مسلم بھی یحیی بن یحیی تمیمی نیسا پوری (۱) کی روایت کو ترجیح دیتے ہیں، ابوداؤد، قعنبی کی روایت کو اور نسائی، قتیبہ بن سعید کی روایت کو اختیار کرتے ہیں۔

زرقانی کہتے ہیں: یہ حکم اغلبی ہے، کیونکہ اس کے خلاف بھی روایتیں پائی جاتی ہیں۔

اس کے بعد مرحوم شیخ محمد حبیب اللہ شنقیطی کلام فرماتے ہیں، کہتے ہیں:

---

(۱) ''تنویر الحوالک'' کے ص ۱۰ پر علامہ جلال الدین سیوطی رقم فرماتے ہیں کہ یہ یحیٰ صاحب روایت مشہورہ نہیں ہیں، بلکہ یہ یحیٰ بن بکیر بن عبدالرحمٰن تمیمی حنظلی نیساپوری ہیں، جن کی کنیت ابوزکریا ہے، ان کا انتقال صفر ۲۲۶ھ میں ہوا، امام بخاری اور امام مسلم نے اپنی صحیحین میں ان سے روایت کی ہے، اور یحیٰ جو صاحب روایت مشہورہ ہیں وہ یحیٰ بن یحیٰ بن کثیر بن وسلاس ابومحمد لیثی اندلسی ہیں، جن کی وفات رجب ۲۳۴ھ میں ہوئی۔

یہیں سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ حدیث کی جتنی بھی معتبر کتابیں ہیں سب کے مؤلفین، امام مالک اور ان کے اصحاب کے نقش قدم کے پیرو ہیں، اس لحاظ سے امام مالک ''شیخ الجمیع'' (سب کے شیخ) ہیں، اس لئے کہ آج حدیث کا دارو مدار کتب ستہ اور مسند امام احمد پر ہے، اور سب کا انحصار ''موطأ'' کی روایتوں اور امام مالک کے اصحاب سے سماع پر ہے۔

''موطأ'' کے نسخے:

قاضی عیاض کہتے ہیں: ''موطأ'' کے مشہور نسخے جن سے میں واقف ہوں یا جن کی میں نے روایت کی ہے یا جو ہمارے مشائخ کے زیر روایت رہے، یا جن سے دوسروں نے نقل کیا ان سب کی تعداد بیس ہے، بعض لوگوں کے نزدیک ان کی تعداد تیس ہے۔

حافظ صلاح الدین علائی کہتے ہیں کہ ''موطأ'' کو امام مالک سے بکثرت لوگوں نے روایت کیا ہے، اس لئے ان کی روایات میں تقدیم و تاخیر اور کمی و زیادتی پائی جاتی ہے، سب سے ضخیم نسخہ قعنبی کا ہے، ابو موسیٰ کے نسخے میں اضافے بکثرت ہیں، ابن حزم فرماتے ہیں کہ ابو مصعب کے نسخے میں دوسرے نسخوں کے مقابلے میں تقریباً ایک سو احادیث کا اضافہ ہے۔

سیوطی نے ''موطأ'' کے نسخوں کی تعداد چودہ بتائی ہے، شاہ ولی اللہ دہلوی ''مصفّٰی'' میں فرماتے ہیں کہ ''موطأ'' کے نسخے تیس سے زیادہ ہیں، ابن عبدالبر نے بارہ نسخوں پر اپنی دونوں شرحوں ''التمہید'' اور ''الاستذکار'' کی بنیاد رکھی، مختلف نسخوں کے ابواب کی ترتیب اور تقدیم و تاخیر میں بھی بکثرت

اختلاف پایا جاتا ہے اور ایسا ہونا ناگزیر بھی تھا کیونکہ امام مالک ہر سال کتاب میں تہذیب وانتخاب کا عمل دہراتے رہتے اور لوگوں نے مختلف زمانوں میں امام مالک سے ''موطأ'' کو حاصل کیا ہے۔

چونکہ امام مالک سے ''موطأ'' حاصل کرنے والوں کی تعداد بے شمار ہے اس لئے ''موطأ'' کے نسخوں کی تعداد میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے، ہر شخص نے اپنے علم کے مطابق تعداد کی تعیین کی ہے، ''بستان المحدثین'' میں حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے سولہ نسخوں کا تذکرہ فرمایا ہے، ہم انہیں نسخوں کے نام اوران کی مختصر تاریخ ذیل میں درج کررہے ہیں۔

پہلا نسخہ: (نسخہ یحیٰ المصمودی)

اس زمانے میں ''موطأ'' کا نام آتے ہی ہمارے ذہنوں میں جس نسخے کا تصور آتا ہے وہ یحیی بن یحیی مصمودی اندلسی کا نسخہ ہے جس کی شرح کی خدمت انجام دینے والے سیوطی، زرقانی، باجی اور حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی اور ہمارے استاد علامہ حضرت مولانا زکریا کاندھلوی وغیرہ جیسے محدثین کبار ہیں۔

یحیی بن یحیی مصمودی اندلسی کا نام ونسب یہ ہے: ''ابومحمد یحیی بن یحیی بن کثیر بن وسلاس بن شملل بن منقایا المصمودی''، بربر کے مشہور قبیلہ ''مصمودہ'' کی طرف منسوب ہوکر مصمودی کہلاتے ہیں(۱)، ان کے اجداد میں ''منقایا'' سب سے پہلے یزید بن عامر لیثی کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوئے، ایک روایت کے مطابق پہلے اسلام لانے والے ''وسلاس'' ہیں۔

---

(۱) دیکھئے: ''سیر أعلام النبلاء'' (۵۱۹/۱)۔

یحییٰ نے سب سے پہلے زیاد بن عبدالرحمان بن زیاد لخمی مشہور بہ ''شبطون'' سے ''موطأ'' کوحاصل کیا، اندلس میں سب سے پہلے مذہب مالکی لے جانے والے یہی ہیں، ان سے پہلے اندلس کے لوگ مذہب اوزاعی کے پیرو تھے۔

طلب علم کی خاطر یحیی نے دو مرتبہ مدینہ منورہ کا سفر فرمایا اور وطن واپس تشریف لا کر علم حدیث کی خدمت میں مشغول ہوگئے، قرطبہ کے امیر نے آپ کی خدمت میں منصب قضاء پیش کیا، لیکن آپ نے قبول فرمانے سے انکار کردیا، آپ انتہائی زاہد و عابد اور بے حد پرہیزگار تھے، یحیی نے مدینہ منورہ آکر پہلی مرتبہ امام مالک سے براہ راست مکمل ''موطأ'' کا سماع حاصل کیا، کتاب الاعتکاف کے صرف تین ابواب آپ براہ راست امام مالک سے حاصل نہیں کر سکے، وہ ابواب یہ ہیں: (۱) '' **باب خروج المعتكف إلى العيد**''، (۲) '' **باب القضاء في الاعتكاف**''، (۳) '' **باب النكاح في الاعتكاف**''.

یحیی نے امام مالک سے ۱۷۹ھ میں ملاقات کی اور ''موطأ'' کا سماع حاصل کیا اور اسی سال امام مالک نے وفات پائی، یحیی امام مالک کی تجہیز و تکفین میں بھی شریک رہے، اس کے بعد امام مالک کے سب سے جلیل القدر تلمیذ عبداللہ بن وہب سے ''موطأ'' حاصل کیا، اس طرح امام صاحب کے دیگر بہت سے اصحاب اور تلامذہ سے کسب فیض کیا، دوسری مرتبہ مدینہ کے سفر میں ''مدونہ'' کے مؤلف اور امام مالک کے بڑے تلمیذ ابن القاسم سے علم فقہ حاصل کیا، اور روایت

ودرایت میں کمال پیدا کرنے کے بعد وطن تشریف لے گئے اور مذہب مالکی کے مطابق تدریس وافتاء کی خدمت انجام دیتے رہے۔

امام زرقانی کہتے ہیں: یحیی ایک مرتبہ امام مالک کے درس میں بیٹھے ہوئے تھے، اتنے میں ہاتھی آ گیا، سارے لوگ تو ہاتھی دیکھنے چلے گئے، یحیی اپنی جگہ سے ہلے بھی نہیں، امام مالک نے فرمایا: تم ہاتھی دیکھنے کیوں نہیں گئے؟ تمہارے ملک میں ہاتھی پایا بھی نہیں جاتا، انہوں نے فرمایا: میں اپنے وطن سے ہاتھی دیکھنے نہیں آیا، میں تو آپ کی زیارت اور آپ سے علم کے جوہر اور اخلاق کے موتی حاصل کرنے آیا ہوں، امام مالک کو یہ جواب بے حد پسند آیا اور ان کو ''عاقل الاندلس'' (دانشور اندلس) کا خطاب دیا۔

اندلس میں فقہ کی امامت آپ کو حاصل تھی، آپ ہی کے ذریعہ مذہب مالکی کا اندلس میں رواج ہوا، منصب قضاء پیش کیا گیا تو آپ نے معذرت کردی، اس سے شاہی دربار میں آپ کا رتبہ مزید بلند ہوگیا، پھر تو بادشاہ بھی آپ کے دیار میں کسی کو قاضی بناتا تو پہلے آپ سے مشورہ اور استصواب کر لیتا، دربار شاہی میں آپ کے اس مقام بلند کو دیکھ کر لوگ اپنی اپنی ضرورتوں کے لئے آپ کی خدمت میں آنے لگے تا کہ آپ ان کے لئے سفارش کردیں، اور اس طرح پورے بلاد مغرب میں آپ کی وجہ سے ''موطأ'' کی شہرت ہوتی گئی۔

یحییٰ امام مالک کی شکل وصورت اور چال ڈھال سے بھی کافی مشابہ تھے، لباس بھی امام مالک جیسا ہی زیب تن فرماتے، آپ مستجاب الدعوات تھے،

امام مالک کی رائے واجتہاد کے سخت پابند تھے، چار مسئلوں کے سوا ہر بات میں وہ امام مالک کے متبع تھے، ان چار مسئلوں میں یحیٰ نے لیث بن سعد مصری کے اجتہاد پر عمل کیا۔

پہلا مسئلہ: فجر میں قنوت کے قائل نہیں تھے۔

دوسرا مسئلہ: یمین وشاہد کے ذریعہ قضاء کے قائل نہیں تھے۔

تیسرا مسئلہ: زوجین سے اختلاف ونزاع کی صورت میں دوحکم کی تحکیم کے قائل نہیں تھے۔

چوتھا مسئلہ: زمین کو کرایہ پر دینے کے قائل نہ تھے۔

یحیی کی وفات رجب ۲۳۴ھ یا ۲۳۳ھ میں ہوئی، اس وقت آپ بیاسی سال کے تھے۔

یحیی مصمودی کے نسخے کی خصوصیت یہ ہے کہ امام مالک سے آخری زندگی میں سماع حاصل کرنے کی وجہ سے یہ نسخہ سب سے آخری نسخہ قرار پایا اور آخری سماع اور آخری نسخہ ہی قابل ترجیح ہے۔(۱)

دوسرا نسخہ: (نسخہ ابن وہب)

دوسرا نسخہ ابو محمد عبداللہ بن وہب بن مسلمہ فہری مصری کا ہے، "تهذيب"، "تقريب"، "خلاصه"، " الجمع بين رجال الصحيحين"، "الديباج" وغیرہ کتب رجال میں عبداللہ بن وہب بن مسلمہ کی جگہ پر وہب بن مسلم ہے، اور یہی صحیح ہے کیونکہ تمام اہل رجال کا اسی پر اتفاق ہے۔

(۱) دیکھئے: "مقدمۃ اوجز المسالک" (۹۲/۱، ۹۴)۔

ابن وہب کی پیدائش ماہ ذی قعدہ ۱۲۵ھ میں ہوئی، آپ نے چارسو شیوخ سے علم حاصل کیا جن میں سر فہرست مالک، لیث بن سعد، محمد بن عبدالرحمان، دونوں سفیان (سفیان بن عیینہ اور سفیان ثوری)، ابن جریج وغیرہم ہیں، ابن وہب خود مجتہد تھے، کسی کی تقلید نہیں کرتے تھے، جیسا کہ بعض لوگوں نے کہا ہے، لیکن صحیح بات یہ ہے کہ وہ امام مالک کے متبع ومقلد ہیں، انہوں نے امام مالک سے اجتہاد وتفقہ حاصل کیا، کثرت سے حدیث روایت کرتے، حافظ ذہبی وغیرہ کہتے ہیں کہ ان کی تصانیف میں صرف ان کی روایت کردہ ایک لاکھ بیس ہزار حدیثیں ملی ہیں، جن میں ایک بھی منکر حدیث نہیں ہے، ساقط اور موضوع حدیثوں کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

خود ان کی زبانی یہ روایت ہے کہ میں ایک سو پچیس ہجری میں پیدا ہوا، سترہ سال کی عمر میں علم حاصل کیا، ابوطاہر کہتے ہیں کہ امام مالک سے ان کی وفات تک سماع حاصل کرتے رہے، ابومصعب کہتے ہیں: ''امام مالک سے ابن وہب کے بیان کردہ مسائل صحیح ہیں''، محمد بن عبداللہ کہتے ہیں: ''ابن وہب میں امام مالک سے بھی بڑھ کر شان تفقہ ہے''، یہ امام مالک کے اصحاب میں ہیں، ''الدیباج المذھب'' میں ان کے حالات زندگی بسط وتفصیل سے بیان کئے گئے ہیں۔

آپ نے یکشنبہ ۲۵؍شعبان ۱۹۷ھ میں انتقال فرمایا، ''موطأ کبیر'' اور ''موطأ صغیر'' تصنیف فرمائی، ان کی ایک مشہور تصنیف ''جامع ابن وہب'' کے نام سے ہے جو قاہرہ کے معہد فرنسی سے حال میں شائع ہوئی ہے،

''کتاب المناسک''، ''کتاب المغازی''، ''کتاب تفسیر الموطأ''، ''کتاب القدر'' وغیرہ بھی آپ کی تصنیفات میں ہیں۔

ایک کتاب "کتاب أهوال القيامة" کے نام سے بھی تصنیف فرمائی، ایک دن یہی کتاب ان کے سامنے پڑھی جارہی تھی کہ آپ پر خوف کا غلبہ ہوا، پھر بے ہوشی طاری ہوگئی، آپ کو گھر لایا گیا اور پھر اسی حالت میں آپ کی وفات ہوگئی، یہ واقعہ ۵/شعبان بروز یکشنبہ ۱۹۹ھ کا ہے آپ کی خدمت میں بھی منصب قضاء پیش کیا گیا تھا لیکن آپ نے قبول کرنے سے انکار فرمادیا تھا، ابن وہب کا نسخہ ابھی حال ہی میں مغرب میں طبع ہوا ہے۔(۱)

تیسرا نسخہ: (نسخہ ابن القاسم)

یہ ابوعبداللہ عبدالرحمان بن القاسم بن خالد مصری کا نسخہ ہے، آپ کی ولادت ۱۳۲ھ میں ہوئی، بہت سے شیوخ سے علم حاصل کیا، امام مالک کے درس میں شریک ہوکر مہارت اور کمال پیدا کیا، روایت ہے کہ آپ امام مالک کی خدمت میں بیس سال سے زیادہ رہے اور امام مالک کے خصوصی شاگردوں کی صف میں آگئے، عابد، زاہد، فقیہ اور پرہیزگار تھے، انہوں نے ہی پہلی مرتبہ ''مدونہ'' کی شکل میں مذہب مالکی کو مدون ومرتب کیا، یہی کتاب

---

(۱) ابن وہب کے حالات زندگی کے لئے دیکھئے: ''تذکرۃ الحفاظ'' (۳۰۴/۱)، ''تہذیب الأسماء'' (۱۴۲/۲)، ''تہذیب التہذیب'' (۱۵۱/۱۱)، ''خلاصۃ تذہیب تہذیب الکمال'' (ص ۳۵۸)، ''شذرات الذہب'' (۴۴۴/۱)، ''طبقات ابن سعد'' (۱۷۳/۷) ق ۲، ''طبقات القراء لابن الجزری'' (۳۶۰/۲)، ''العبر'' (۳۱۹/۱)، ''میزان الاعتدال'' (۳۴۷/۴)، ''النجوم الزاہرۃ'' (۱۴۸/۲)۔

فقہائے مذہب مالکی کی بنیاد و اساس ہے، مصر میں اخیر عمر تک مذہب مالکی کے امام مانے جاتے رہے، بخاری، مراسیل ابی داود اور نسائی کے راویوں میں سے ہیں، ۱۹۱ھ میں مصر میں انتقال فرمایا۔(۱)

نسخہ ابن القاسم کی انفرادیت:

نسخہ ابن القاسم میں یہ حدیث زیادہ ہے جو دیگر نسخوں میں نہیں ہے:

مالك عن العلاء بن عبد الرحمان عن أبيه عن أبي هريرة أن رسول الله ﷺ قال: ''من عمل عملا أشرك فيه معي غيري فهو له كله، أنا أغنى الشركاء''۔

چوتھا نسخہ: (نسخہ قعنبی)

یہ نسخہ ابو عبد الرحمان عبد اللہ بن مسلمہ بن قعنب حارثی قعنبی کا ہے، اپنے دادا کی طرف منسوب ہو کر ''قعنبی'' مشہور ہوئے، وطن اصلی مدینہ منورہ ہے لیکن بصرہ کی سکونت اختیار کی، اور مکہ میں شوال ۲۲۱ھ میں انتقال فرمایا، سن ولادت ۱۳۰ھ ہے، ابن ماجہ کے علاوہ صحاح ستہ میں ان کی روایت موجود ہے، امام مالک، لیث، حماد، شعبہ وغیرہم سے علم حاصل کیا۔

ابن معین اور ابن المدینی ''مؤطا'' کے بارے میں ان پر کسی کو ترجیح نہیں دیتے تھے، خود ان کی روایت ہے کہ میں نے امام مالک کی خدمت میں بیس سال

---

(۱) ''تذکرۃ الحفاظ'' (۱/۳۵۶)، ''تہذیب التہذیب'' (۶/۱۷)، ''خلاصۃ تذہیب تہذیب الکمال'' (ص ۱۹۷)، ''شذرات الذہب'' (۱/۳۲۹)، ''العبر'' (۱/۳۰۷)، ''حسن المحاضرۃ'' (۱/۳۰۳)، ''الدیباج المذہب'' (ص ۱۴۶)، ''اللباب'' (۲/۱۲۰)۔

رہ کر ''موطأ'' کو حاصل کیا، ابوزرعہ کہتے ہیں: ان سے بڑھ کر خاشع میں نے کسی کو نہیں دیکھا، ان کے فضائل ومناقب بے شمار ہیں، پایہ کے عبادت گذار اور مستجاب الدعوات تھے، اپنے زمانہ کے ابدال میں آپ کا شمار تھا، عجلی کہتے ہیں: بصری ہیں، ثقہ ہیں، مرد نیک ہیں، نصف ''موطأ'' کی قرأت خود امام مالک نے کی اور نصف ثانی کی قرأت انہوں نے امام مالک کے سامنے کی ہے۔(۱)

''موطأ'' کے دیگر نسخوں کے مقابلہ میں اس نسخہ میں یہ حدیث زائد ہے (بجز نسخہ ''موطأ'' محمد بن الحسن) مالك عن ابن شهاب عن إسماعيل بن محمد بن ثابت بن قيس بن شهاب عن جده أنه قال : يا رسول الله! لقد خشيت أن أكون قد هلكت ، قال : لم؟ قال : نهانا الله أن نحب أن نحمد بما لم نفعل و أجدني أحب أن أحمد......الحديث۔

پانچواں نسخہ: (نسخہ عبداللہ بن یوسف)

پانچواں نسخہ عبداللہ بن یوسف کا ہے، یہ اصلاً دمشق کے رہنے والے تھے، اسی لئے دمشقی کہلاتے ہیں، لیکن تنیس میں سکونت اختیار کرنے کی وجہ سے تنیسی بھی کہلاتے ہیں، تنیس (علی وزن سِکّین) دمیاط کے قریب بحر روم کے ایک جزیرہ کا مشہور شہر ہے جہاں کے کپڑے اچھے مانے جاتے ہیں، امام بخاری اور ابوحاتم نے آپ کی توثیق کی ہے، بخاری، ابوداود، ترمذی، نسائی کے رواۃ میں

(۱) ''تذکرۃ الحفاظ'' (۱/۳۸۳)، ''الدیباج المذہب'' (ص۱۳۱)۔

سے ہیں، امام بخاری نے اپنی صحیح اور دیگر کتب میں ان سے بکثرت روایت لی ہے،''موطأ'' کے بارے میں قعنبی کے بعد یہ زیادہ ثبت مانے جاتے ہیں، ۱۶۶ھ میں''موطأ'' کا سماع حاصل کیا اور ۲۱۷ھ میں انتقال فرمایا۔

ابوبکر بن خزیمہ، نصر بن مرزوق کی روایت سے یحیٰ بن معین کا قول نقل کرتے ہیں کہ میں نے امام مالک سے''موطأ'' کے رواۃ کے بارے میں پوچھا تو فرمایا:''موطأ'' کے بارے میں سب سے زیادہ ثبت عبداللہ بن مسلمہ قعنبی ہیں پھر ان کے بعد عبداللہ بن یوسف تنیسی ہیں، تنیسی کے نسخہ میں یہ حدیث زائد ہے، ابن وہب کے نسخہ کے علاوہ کسی اور نسخہ میں یہ حدیث نہیں ہے: مالك عن ابن شهاب عن حبيب مولىٰ عروة عن عروة أن رجلا سأل رسول الله ﷺ أي الأعمال أفضل ؟ قال : إيمان بالله ......الحديث۔(۱)

چھٹا نسخہ: (نسخہ معن بن القزاز)

چھٹا نسخہ معن بن القزاز کا نسخہ ہے (عربی میں ریشم کو قز کہتے ہیں، ریشم بیچنے کی وجہ سے ان کو قزاز کہا جاتا ہے) ان کا پورا نام ابو یحیٰ معن بن حسین بن دینار مدنی اشجعی ہے، یہ اکثر لاٹھی کے سہارے چلا کرتے تھے اسی لئے ان کا لقب ہی عکاز (لاٹھی) پڑ گیا، کہا جاتا ہے کہ امام مالک نے ان کو اپنا متبنی بنالیا تھا، ان کو ''امام مالک کا عصائے پیری'' بھی کہا جاتا ہے، اس لئے کہ امام صاحب اخیر عمر میں ضعف ونقاہت کی وجہ سے انہی کی سہارے سے مسجد آتے جاتے تھے، ہارون رشید اور ان کے دونوں بیٹوں کے لئے امام مالک کے سامنے''موطأ'' کی قرأت انہوں نے ہی کی تھی۔

---

(۱)''تذکرۃ الحفاظ''(۱/۳۴۴)،''طبقات السیوطی''(ص۱۷۲)۔

امام مالک، ابراہیم بن طہمان اور کئی حضرات سے انہوں نے روایت کی ہے اور ان سے روایت کرنے والوں میں ابن معین، ابوبکر بن شیبہ، ابن المدینی اور ایک بڑی جماعت ہے۔

ابو حاتم کہتے ہیں: اصحاب مالک میں سب سے زیادہ ثبت اور ثقہ معن ابن عیسی ہیں، شوال ۱۹۸ھ میں مدینہ منورہ میں انتقال فرمایا۔(۱)

ساتواں نسخہ: (نسخہ سعید بن عفیر)

یہ نسخہ سعید بن کثیر بن عفیر بن مسلم انصاری کا ہے، آپ نے امام مالک اور لیث وغیرہ سے روایت کی ہے، اور ان سے روایت کرنے والوں میں امام بخاری جیسے لوگ ہیں، ثقہ محدث ہیں، کہا جاتا ہے کہ مصر میں ان کے جیسا مختلف علوم کا جامع کوئی پیدا نہیں ہوا۔

ابن عدی کہتے ہیں: وہ ہمارے نزدیک ثقہ اور صدوق ہیں، بڑے بڑے ائمہ فن نے ان سے حدیث روایت کی ہے، ابن یونس کہتے ہیں: سعید بن عفیر انساب، اخبار ماضیہ، ایام العرب، تاریخ، ادب وغیرہ علوم میں بڑے ماہر تھے، زبان انتہائی فصیح تھی اور حاضر جوابی میں طاق تھے، آپ باغ و بہار اور مرنجاں مرنج شخصیت کے مالک تھے، آپ کی مجلس میں اکتاہٹ نہیں ہوتی تھی، بخاری، مسلم، نسائی کے رواۃ میں سے ہیں، ۱۴۶ھ میں ولادت ہوئی، اور رمضان

(۱) ''تذکرۃ الحفاظ'' (۳۳۲/۱)، ''خلاصۃ تذہیب تہذیب الکمال'' (ص۳۲۹)، ''شذرات الذہب'' (۳۵۵/۱)، ''طبقات ابن سعد'' (۳۲۴/۵)، ''العبر'' (۳۲۸/۱)، ''الدیباج المذہب'' (ص۳۴۷)۔

۲۲۶ھ میں انتقال فرمایا۔(۱)

آٹھواں نسخہ: (نسخہ ابن بکیر)

یہ نسخہ یحییٰ بن عبداللہ بن بکیر کا ہے، ان کو دادا کی طرف منسوب کر کے یحیٰ ابن بکیر بھی کہا جاتا ہے، ابن بکیر کے نام سے مشہور ہیں۔

یحیٰ بن عبداللہ بن بکیر قریشی ہیں، بخاری، مسلم، ابن ماجہ کے رواۃ میں سے ہیں، ۱۵۴ھ سن ولادت ہے، ۱۵/صفر ۲۳۱ھ میں انتقال کیا۔

''بستان المحدثین'' میں یحیٰ بن بکیر سے یہ روایت منقول ہے کہ میں نے امام مالک سے چودہ مرتبہ ''موطأ'' کو حاصل کیا، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ ابن معین نے کہا: یحیٰ بن بکیر نے لیث کے کاتب حبیب کے واسطہ سے ''موطأ'' کا سماع کیا، مسلمہ کہتے ہیں: یحیٰ بن بکیر کے بارے میں کلام کیا گیا ہے، کیونکہ امام مالک سے ان کا سماع حبیب کے ''عرض'' کے ذریعہ حاصل ہوا ہے، ''تذکرۃ الحفاظ'' میں ہے: یحیٰ بن بکیر مالک اور لیث کے تلمیذ ہیں، اور ان ہی دونوں سے زیادہ روایت کرتے ہیں۔

بقی بن مخلد کہتے ہیں: یحیٰ بن بکیر نے امام مالک سے سترہ مرتبہ ''موطأ'' کا سماع کیا، زرقانی نے ''دیباج'' سے ایسا ہی نقل کیا ہے، ''العینی علی البخاری'' میں ہے کہ باجی کہتے ہیں: اصحاب حدیث نے امام مالک سے یحیٰ بن بکیر کے سماع کے بارے میں کلام کیا ہے جب کہ ایک جماعت کہتی ہے کہ یحیٰ بن بکیر امام

---

(۱) ''تذکرۃ الحفاظ'' (۲/۴۲۷)، ''تہذیب التہذیب'' (۴/۷۴)، ''العبر'' (۱/۳۹۶)۔

مالک سے ''موطأ'' روایت کرنے والوں میں ہیں۔(۱)

نواں نسخہ: (نسخہ ابومصعب زہری)

ابومصعب زہری اپنی کنیت سے زیادہ مشہور ہیں، ان کا نام احمد بن بکیر قاسم بن الحارث بن زرارۃ بن مصعب بن عبدالرحمان بن عوف زہری عوفی ہے، مدینہ کے قاضی رہ چکے ہیں، نسائی کے علاوہ صحاح ستہ میں ان کی روایتیں موجود ہیں، نسائی نے بھی ایک واسطہ سے ان سے روایت کی ہے، امام مالک کی صحبت میں رہ کر فقہ میں مہارت حاصل کی، اوران سے ''موطأ'' کو حاصل کیا، اہل مدینہ میں بلانزاع بڑے فقیہ مانے جاتے تھے، رمضان ۲۴۲ھ میں ۹۲ رسال کی عمر میں وفات ہوئی، ان کی روایت کردہ ''موطأ'' میں دوسرے نسخوں کے مقابلہ میں تقریباً سو حدیثیں زیادہ پائی جاتی ہیں (۲)۔

یہ نسخہ ڈاکٹر بشار عواد معروف اور محمود خلیل کی تحقیق کے ساتھ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت سے ۱۹۹۲ء میں طبع ہوکر منظر عام پر آچکا ہے۔

دسواں نسخہ: (نسخہ مصعب بن عبداللہ زبیری)

ان کا نام مصعب بن عبداللہ بن مصعب بن ثابت بن عبداللہ بن الزبیر ابن العوام اسدی ابوعبداللہ زبیری مدنی ہے، بغداد میں سکونت اختیار کی، نسائی

---

(۱) ''تذکرۃ الحفاظ'' (۲/۴۲۱)، ''تہذیب التہذیب'' (۱۱/۱۰۷)، ''العبر'' (۱/۴۰۴)، ''خلاصۃ تذہیب تہذیب الکمال'' (ص۲۴۰)، ''الرسالۃ المستطرفۃ'' (ص۶۲)، ''شذرات الذہب'' (۲/۶۲)۔

(۲) ''تذکرۃ الحفاظ'' (۲/۴۸۳)، ''شذرات الذہب'' (۲/۱۰)، ''سیر أعلام النبلاء'' (۸/۵۸)۔

اور ابن ماجہ میں آپ سے روایتیں موجود ہیں، امام مسلم نے صحیح کے علاوہ اور ابو داود نے سنن کے علاوہ دوسری کتابوں میں ان سے روایت کی ہے، ۱۵۶ھ میں آپ کی پیدائش ہوئی اور ۲ر شوال ۲۳۶ھ میں وفات پائی۔

قاضی عیاض کہتے ہیں: نسب، شعر اور اخبار کے سلسلہ میں قریش کے سب سے بڑے عالم تھے، خواص وعوام میں مقبول و ہر دلعزیز اور انتہائی شریف النفس اور ذی رتبہ تھے، شعر وسخن اور ظرافت میں بھی طاق تھے، امام مالک کے اصحاب میں سے ہیں، یحیٰ بن معین نے ان کی توثیق کی ہے۔(۱)

گیارہواں نسخہ: (نسخہ محمد بن مبارک صوری)

آپ کا نام محمد بن المبارک بن یعلی قریشی صوری قلانسی ہے، دمشق میں سکونت اختیار کی، صحاح ستہ کے راویوں میں سے ہیں، ۱۵۳ھ میں آپ کی ولادت ہوئی، امام مالک، دراوردی، ابن عیینہ اور دیگر حضرات سے آپ نے روایت کی ہے ان سے روایت کرنے والوں میں اسحاق کوسج، ابن معین، ابوزرعہ اور ایک جماعت ہے، آپ عابد شب زندہ دار تھے، ابومسہر کے بعد شام کے شیخ مانے جاتے تھے، شوال ۲۱۵ھ میں وفات ہوئی۔(۲)

بارہواں نسخہ: (نسخہ سلیمان بن برد)

---

(۱)''المدارک''(۱/۳۷۹)۔

(۲)''طبقات السیوطی''(ص ۱۶۵)، ''تذکرۃ الحفاظ''(۱/۳۸۶)، ''خلاصۃ تذہیب تہذیب الکمال''(ص ۳۰۵)، ''العبر''(۱/۳۶۷)۔

اہل نقل کے درمیان ان کے نام کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے، کسی نے سلطان بن برد اور کسی نے سلمہ بن برد نام بتایا ہے۔(۱)

تیرہواں نسخہ: (نسخہ ابوحذافہ سہمی)

ان کا نام ہے: احمد بن اسماعیل بن محمد سہمی ابوحذافہ مدنی، آپ بغداد میں فروکش ہوگئے تھے، ابن ماجہ کے رواۃ میں سے ہیں، ایک قول کے مطابق امام مالک سے سب سے آخر میں ''موطأ'' حاصل کرنے والے یہی ابوحذافہ سہمی ہیں، نُقّادِ حدیث نے ان کے بارے میں کلام کیا ہے، صاحب اتحاف نے کہا کہ ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انہوں نے ''موطأ'' میں کچھ ایسی چیزیں بھی داخل کردی ہیں جن کی نسبت امام مالک کی طرف صحیح نہیں ہے، عیدالفطر کے دن ۲۵۹ھ اور ابن قانع کے بقول ۲۵۸ھ میں وفات پائی۔(۲)

چودہواں نسخہ: (نسخہ سوید بن سعید)

آپ کا پورا نام ہے: سوید بن سعید بن سہل ہروی ابومحمد حدثانی انباری، فرات کے کنارے ''حدیثہ'' نام کا ایک شہر ہے اسی کی طرف منسوب ہوکر آپ ''حدثانی'' کہے جاتے ہیں، مسلم اور ابن ماجہ کے رواۃ میں سے ہیں، محدثین نے ان پر بھی کلام کیا ہے(۳)، بخاری کہتے ہیں کہ ان کی عمر سو سال کی ہوئی، ان پر اس روایت کی وجہ سے کلام کیا گیا ہے: ''من عشق و كتم و عَفَّ و مات مات شهيدا''۔

---

(۱) ''ترتیب المدارک'' (۴۶۰/۲)۔ (۲) ''تہذیب التہذیب'' (۱۶/۱)، ''میزان الاعتدال'' (۸۳/۱)۔

(۳) ''تہذیب التہذیب'' (۲۷۲/۴)۔

امام مسلم سے کسی نے پوچھا کہ آپ نے ''صحیح'' میں ان سے روایت کیونکر لی؟ تو فرمایا کہ ''حفص بن میسرہ کا نسخہ میں کہاں سے لاتا؟''۔

پندرہواں نسخہ: (موطا محمد)

پندرہواں نسخہ مذہب حنفی کے سرتاج اور امام اعظم کے شاگرد خاص محمد ابن الحسن شیبانی کا ہے، آپ کا نام دنیائے علم میں ایسا مشہور ہے کہ تذکرہ کی ضرورت نہیں رہتی، آپ اصلاً دمشق کے ایک گاؤں ''حرستا'' کے رہنے والے تھے، آپ کے والد ماجد ملک شام میں فوجی تھے، واسط میں قیام کے دوران امام محمد کی ۱۳۲ھ میں ولادت ہوئی، ۱۷۹ھ میں مقام ''رے''(۱) میں انتقال فرمایا۔

امام محمد نے اپنے نسخہ میں امام مالک کے علاوہ دوسرے طریق سے بھی روایات و آثار ذکر کئے ہیں، اسی لئے انہی کی طرف منسوب ہوکر یہ نسخہ ''موطأ محمد'' کہلاتا ہے، اور ''موطأ مالک بروایۃ محمد بن الحسن الشیبانی'' کے نام سے بھی معروف ہے، سیوطی نے انہی دونوں نسخوں کا اضافہ کیا ہے۔

سولہواں نسخہ: (نسخہ یحیٰ بن یحیٰ تمیمی)

ان کا نام ہے: یحیٰ بن یحیٰ بن عبدالرحمان تمیمی حنظلی ابو زکریا نیساپوری، آپ بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی کے راویوں میں سے ہیں، ۱۴۲ھ میں آپ کی ولادت ہوئی، اور چہار شنبہ یکم ربیع الاول کو وفات ہوئی، حاکم کہتے ہیں کہ اس کے خلاف کہنے والے کی بات غلط ہے،

---

(۱) یہ طہران کے قریب ایک شہر تھا۔

حافظ ''تقریب'' میں ۲۲۶ھ کو صحیح سن وفات قرار دیتے ہیں، جب کہ ''تذکرہ'' میں صفر ۲۲۶ھ سن وفات درج ہے۔(۱)

میں کہتا ہوں کہ امام مسلم نے اس نسخہ سے اپنی ''صحیح'' میں تخریج کی ہے، سیوطی ''تنویر الحوالک'' میں فرماتے ہیں کہ یحیٰ بن یحیٰ وہ نہیں ہیں جن کا نسخہ ''نسخہ یحیٰ'' سے مشہور ہے، (بلکہ وہ یحیٰ مصمودی ہیں)۔

''موطأ'' کی راجح ترین روایت:

''موطأ'' کی راجح ترین روایت کی تعیین میں علماء کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے، امام احمد کہتے ہیں کہ میں نے دس سے زیادہ امام مالک کے اصحاب حفاظ سے ''موطأ'' کو سنا پھر امام شافعی کے سامنے ''موطأ'' کا اعادہ کیا اس لئے کہ سب میں امام شافعی کو میں نے ''ضبط وحفظ میں ممتاز'' پایا۔

ابن معین کا یہ قول نقل کیا جاتا ہے کہ ''موطأ'' کے بارے میں سب سے زیادہ ثقہ قعنبی اور ان کے بعد عبداللہ بن یوسف تنیسی ہیں، حافظ کہتے ہیں کہ ابن المدینی اور نسائی نے بھی علی الاطلاق قعنبی کو بہت زیادہ ثقہ قرار دیا ہے، ابن معین کہتے ہیں کہ سب سے زیادہ ثقہ معن بن عیسی ہیں۔

''الدیباج المذھب'' میں ہے کہ امام نسائی کہتے ہیں کہ امام مالک سے ''موطأ'' روایت کرنے والوں میں ابن القاسم سے زیادہ ثقہ کوئی نہیں ہے، محمد ابن عبدالحکم کہتے ہیں کہ امام مالک کے بارے میں سب سے زیادہ ثقہ ابن وہب

---

(۱) ''تذکرۃ الحفاظ'' (۲/۴۱۵)، ''الدیباج المذھب'' (ص ۳۴۹)، ''المدارک'' (۲/۴۰۸)۔

ہیں، سیوطی ’’تنویر الحوالک‘‘ میں فرماتے ہیں کہ ’’موطأ ‘‘ کی بہت سی روایتیں ہیں جن میں سب سے ضخیم قعنبی کی روایت ہے، علائی کہتے ہیں کہ امام مالک سے ’’موطأ ‘‘ روایت کرنے والوں کی ایک لمبی فہرست ہے اور ابومصعب کے نسخہ میں دوسرے نسخوں سے تقریباً سو حدیثیں زیادہ ہیں۔(۱)

شروح ’’موطأ ‘‘:

قاضی عیاض ’’مدارک‘‘ میں کہتے ہیں کہ کسی بھی حدیث کی کتاب کے ساتھ وہ اعتناء نہیں کیا گیا جو ’’موطأ امام مالک‘‘ کے ساتھ کیا گیا، ابن فرحون کہتے ہیں: جن علماء نے ’’موطأ ‘‘ کی حدیث ورجال کے ساتھ اعتناء کیا اور اس سلسلہ میں تصنیف بھی کی ان کی تعداد بہت بڑی ہے، جن میں علمائے مالکیہ کے علاوہ دوسرے حضرات بھی ہیں، قاضی عیاض نے تقریباً نوے حضرات کی تعداد بتائی ہے۔

مشہور ترین شارحین موطأ :

۱۔ابومحمد عبداللہ بن محمد بن سیِّد بطلیوسی مالکی نحوی۔

(اندلس کے شہر بطلیوس کی طرف نسبت ہے)(۲)، ولادت ۴۴۴ھ، وفات رجب ۵۲۱ھ اور ایک روایت کے مطابق ۵۱۱ھ۔

یہ نحو ولغت میں بڑی دستگاہ رکھتے تھے، مشاہیر قرطبہ میں سے تھے، ان کی شرح کا نام ’’المقتبس ‘‘ ہے، ان کی کئی تصنیفات ہیں، جن میں ’’سبب اختلاف الفقہاء‘‘ زیادہ مشہور ہے۔

---

(۱) دیکھئے: ’’مقدمۃ التعلیق الممجد ‘‘(۸۸/۱)۔ (۲) ’’الأنساب‘‘(۲۴۱/۲)۔

۲۔ابن رشیق قیروانی مالکی۔

آپ شعر وسخن سے بھی شغف رکھتے تھے، قیروان میں ماہ ذی قعدہ ۴۵۶ھ میں آپ کی وفات ہوئی، ایک روایت کے مطابق سن وفات ۴۶۳ھ ہے، آپ کا پورا نام ابوعلی الحسن بن رشیق ہے، ''الشذوذ فی اللغۃ'' اور ''العمدۃ فی صناعۃ الشعر'' کے علاوہ آپ کی بہت زیادہ تصنیفات ہیں، افریقہ کے مغرب میں قیروان نامی شہر میں سن ۳۹۰ھ میں پیدا ہوئے، آپ ''ملک النحاۃ'' (اقلیم نحو کے بادشاہ) کہلائے جانے کے بڑے متمنی رہتے تھے، جو اس نام سے آپ کو نہ پکارتا اس سے سخت ناراض ہوجاتے، ان کی تصنیفات میں ''شرح الموطأ'' ہے، کہا جاتا ہے کہ یہ ابن عبدالبر کی ''التمہید'' کا اختصار ہے۔(۱)

۳۔ابومروان عبدالملک بن حبیب بن سلیمان قرطبی مالکی متوفی ۲۳۷ھ۔

زبیدی نے نُحاۃ اندلس کے دوسرے طبقہ میں آپ کو شمار کیا ہے، نحو، لغت اور فقہ کے امام مانے جاتے تھے، تیل نکالنے کا پیشہ تھا، اصلاً طلیطلہ کے رہنے والے تھے، ان کے دادا طلیطلہ سے منتقل ہوکر قرطبہ آگئے تھے، فقہ، نحو، اُخبار، اُنساب، شعر، طب اور خطابت میں یدطولیٰ رکھتے تھے، آپ کی تصانیف بکثرت ہیں، ابن فرحون نے آپ کی بعض تصنیفات کا ذکر کیا ہے، انہوں نے اپنی شرح کا نام ''تفسیر الموطأ'' (۲) رکھا تھا، کہا جاتا ہے کہ انہوں نے دس اجزاء میں ایک کتاب تصنیف کی تھی جس کا جزء اول ''موطأ'' کی تفسیر سے تعلق رکھتا ہے۔

---

(۱)''وفیات الأعیان'' (۲/۸۵)، ''شذرات الذہب'' (۳/۲۹۷)۔

(۲) ان کی یہ کتاب مکتبہ العبیکان ریاض سے شائع ہوچکی ہے۔

۴۔حافظ ابوعمر یوسف بن عبداللہ بن عبدالبر اندلسی قرطبی مالکی۔

مشہور امام اور بے شمار کتابوں کے مصنف ہیں، ربیع الآخر یا جمادی الاولیٰ ۳۶۸ھ میں آپ کی ولادت ہوئی، ۳۹۰ھ کے بعد طلب علم میں مشغول ہوئے، شروع میں ''مسلک ظاہری'' کے پیرو تھے، پھر مسلک مالکی اختیار کرلیا، لیکن مسلک شافعی کی طرف بھی بعض مسائل میں میلان رکھتے تھے، اور اس کا انہیں حق تھا، اس لئے کہ آپ مرتبہ اجتہاد تک پہونچ چکے تھے، جمعہ کی شب اور ربیع الآخر کی آخری تاریخ ۴۶۳ھ میں آپ نے انتقال فرمایا۔

غسانی کہتے ہیں: ابوعمر نے ''موطأ'' کے سلسلہ میں کئی مفید کتابیں تصنیف فرمائی ہیں، ''التمہید لما فی الموطأ من المعانی والاسانید'' آپ کی بے نظیر تصنیف ہے، امام ابن حزم فرماتے ہیں: فقہ حدیث کے موضوع پر ''التمہید'' جیسی کتاب میری نظر سے نہیں گذری، اس سے بہتر کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، اس کی ترتیب رواۃ کے نام پر بترتیب تہجی ہے، یہ ستر ضخیم اجزاء میں ہے، پھر ''الاستذکار لمذاھب علماء الامصار لما تضمنہ الموطأ من المعانی والآثار'' کے نام سے ''التمہید'' کا اختصار کیا ہے، جس میں اپنے طور پر ''موطأ'' کی شرح کی ہے، یہ کتاب بھی قاہرہ سے تیس جلدوں میں چھپ چکی ہے۔

بندہ عرض کرتا ہے کہ مغرب میں مولانا عبدالحفیظ کی تحقیق سے بھی ''التمہید'' ۲۶ر جلدوں میں مع فہرست شائع ہوچکی ہے، ''موطأ'' کی مرسل و مسند احادیث کے بیان میں ایک کتاب ''التقصی فی اختصار الموطأ'' کے نام سے

لکھی، ''بستان المحد ثین'' میں ہے کہ مصنف نے اس کتاب میں ''موطأ'' کے مختلف نسخوں سے احادیث کوجمع کردیا ہے۔

ناچیز عرض کرتا ہے کہ اس میں مراسیل اور بلاغات کی سند بھی مصنف نے ذکر کی ہے، ''کشف الظنون'' وغیرہ میں اس کا نام ''التغطا بحدیث الموطأ'' ہے، یہ کتاب بھی مصر میں ''تجرید التمہید'' اور ''التقصی'' کے نام سے شائع ہوچکی ہے،اس کے علاوہ مصنف کی کئی اور مفید اور قیمتی تصنیفات ہیں، ''الکافی فی مذہب مالک'' دوجلدوں میں شائع ہوچکی ہے، ''الانتقاء لمذاھب العلماء: مالک وابی حنیفہ والشافعی''، ''الکنی''، ''المغازی'' وغیرہ دیگر کئی کتابیں آپ کی تصنیفات میں سے ہیں۔(۱)

۵۔احمد بن نصر الداودی ابوجعفر۔

بلادمغرب میں ائمہ مالکیہ میں آپ کا شمار ہے، پہلے طرابلس میں قیام کیا، اسی زمانہ میں ''موطأ'' کی شرح لکھی، پھر تلمسان آکر ''النامی فی شرح الموطأ'' کے نام سے کتاب تصنیف کی، پایہ کے فقیہ اور فاضل تھے، ابن فرحون کے بقول ۴۰۲ھ میں وفات پائی۔

(۱) ''الأنساب'' (ص ۱۱۰۱)، ''البدایۃ والنہایۃ'' (۹۴/۱۲)، ''تبیین کذب المفتری'' (ص ۲۶۵)، ''تذکرۃ الحفاظ'' (۱۱۳۲/۳)، ''شذرات الذہب'' (۳۰۴/۳)، ''الطبقات الکبری للسبکی'' (۸/۴)، ''طبقات ابن ہدایۃ اللہ'' (ص ۱۵۹)، ''العبر'' (۲۴۲/۳)، ''اللباب'' (۱۶۵/۱)، ''معجم البلدان'' (۸۰۴/۱)، ''المنتظم'' (۲۴۲/۸)، ''النجوم الزاہرۃ'' (۷۷/۵)، ''وفیات الأعیان'' (۳۰/۱)۔

۶۔احمد بن محمد بن احمد شیخ حافظ شہاب الدین۔

آپ نے ''کتاب العمدۃ'' چھ دنوں میں اور ''الألفیہ'' ایک ہفتہ میں یاد کرلیا تھا۔

۷۔احمد بن عمر بن عبداللہ بن السراح۔

آپ کی کنیت ابوطاہر ہے، امام مسلم نے آپ سے روایت کی ہے، آپ نے ''مؤطا ابن وہب'' کی شرح لکھی ہے، ابن فرحون کے بقول ۲۰۵ھ آپ کی تاریخ وفات ہے۔

۸۔امام علامہ باجی۔

آپ کا پورا نام ہے: قاضی ابوالولید سلیمان بن خلف بن سعد بن ایوب ابن وارث تجیبی اندلسی قرطبی، کندہ کے ایک قبیلہ ''تجیبہ'' کی طرف منسوب ہوکر آپ ''تجیبی'' کہلاتے ہیں، علمائے مالکیہ کے دسویں طبقہ کے اعیان میں آپ کا شمار ہے، تاریخ ولادت ۴۰۳ھ اور تاریخ وفات ۴۹۴ھ ہے، اندلس کے مختلف علاقوں میں منصب قضاء کو زینت بخشتے رہے، کہا جاتا ہے کہ قاضی عبدالوہاب کے بعد علمائے مالکیہ میں علامہ باجی کے مثل کوئی نہیں ہے۔

ابن فرحون کہتے ہیں: یہ اصلاً بطلیموس کے رہنے والے ہیں، وہاں سے منتقل ہوکر اندلس کے شہر ''باجہ'' آگئے تھے، ''باجہ'' نام کا ایک شہر افریقہ میں بھی پایا جاتا ہے جو اب تونس میں آگیا ہے، اسی طرح ملک اصفہان میں بھی ایک شہر ''باجہ'' کے نام سے آباد ہے، لیکن یہ اندلس کے شہر باجہ کی طرف منسوب ہوکر ''باجی'' کہلاتے ہیں، آپ کی تصنیفات بہت زیادہ ہیں، ''التعلیق المجد'' اور

''الدیباج المذہب'' میں بعض کتابوں کا تذکرہ ہے، ''اختلاف الموطآت'' آپ ہی کی تصنیف ہے، علامہ باجی کی شرح ''المنتقی شرح الموطأ'' کے نام سے پہلی مرتبہ ۱۳۳۱ھ میں مصر کے مطبعۃ السعادۃ سے سات جلدوں میں شائع ہوئی۔

''کشف الظنون'' میں ہے کہ یہ ابن عبدالبر کی کتاب ''التمہید'' کا اختصار ہے، بندہ عرض کرتا ہے کہ ان کی دو اور شرحیں ''الایماء'' اور ''الاستیفاء'' کے نام سے ہیں، علامہ سیوطی نے اس کا تذکرہ کیا ہے، بعض حضرات نے ''الایماء'' کو فقہ میں شمار کیا ہے، ابن فرحون کہتے ہیں کہ ان کی بہت سی تصنیفات ہیں جن میں ''الاستیفاء فی شرح الموطأ'' ایک عظیم اور بیش قیمت علمی سرمایہ ہے، اس میں ان کا کوئی ہمسر نہیں ہے، ''المنتقی'' ''الاستیفاء'' کا اختصار ہے، پھر ''المنتقی'' کا اختصار ''الایماء'' کے نام سے کیا جو ''المنتقی'' کی ایک چوتھائی کے برابر ہے، آپ کی ایک کتاب ''المقتبس من علم مالک بن انس'' بھی ہے۔

''المنتقی'' کے مقدمہ میں خطبہ کے بعد علامہ باجی یوں رقم طراز ہیں:

''أما بعد! آپ نے بتایا کہ میں نے جو ''موطأ'' کی ضخیم شرح ''الاستیفاء'' کے نام سے لکھی ہے اکثر لوگوں کے لئے اس کی باتوں کو محفوظ رکھنا اور اس کا گہرائی کے ساتھ مطالعہ کر کے اس کے مسائل واحکام کو مستحضر رکھنا مشکل ہے، خاص طور سے جس کی نظر اس علم میں گہری اور دقیق نہیں ہے اس کے لئے تو یہ کتاب اپنے مباحث کی کثرت کی وجہ سے پریشان خاطری کی باعث بن جاتی ہے، اور اس کتاب سے صرف انتہائی درجہ علمی رسوخ رکھنے والے ہی مستفید

ہوسکتے ہیں، اس لئے میں نے اس کتاب میں ''الاستیفاء'' کی صرف حدیث اور فقہ سے متعلق باتوں کے بیان کرنے پر اکتفا کیا ہے، تاکہ یہ اس کی آسان شرح ہو اور آسانی کے ساتھ مسائل کا استخراج ہوسکے، اسی کے ساتھ مسائل کے استدلال کی طرف ہلکا سا اشارہ کردیا گیا ہے تاکہ صرف اس پر اکتفا کرنے والے کو ''الاستیفاء'' کے اسلوب کا بھی کچھ علم ہوجائے اور اس کا طریقہ معلوم ہو، اور اگر ہمت کرکے کوئی ''الاستیفاء'' کا مطالعہ کرنا چاہے تو اس کے لئے یہ کتاب شرح اور معاون کی حیثیت رکھے، یہی سوچ کر میں نے ''الاستیفاء'' سے اپنے ذوق اور شرط کے مطابق مباحث کا انتخاب کیا ہے، البتہ اسانید اور سارے مسائل و ادلّہ اور پھر مخالفین کے دلائل کو بیان کرنے سے احتراز کیا ہے، صرف حدیث اور اصل مسئلہ کو بیان کرنے کے بعد اس کی کچھ جزئیات کو بیان کرنا چاہا ہے، و باللہ التوفیق و بہ أستعین و علیہ أتوکل و ھو حسبي و نعم الوکیل۔

میں نے ایک بات ''الاستیفاء'' میں بیان کی ہے وہ اس کتاب میں بھی ذکر کرنا چاہتا ہوں، وہ یہ ہے کہ مختلف مسائل میں مفتی کا فتوی یا ان مسائل کے بارے میں ان کا اپنا نظریہ اور توجیہ و تشریح سب توفیق الٰہی کے مطابق ہوا کرتی ہے، اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک مفتی ایک زمانہ میں ایک مسئلہ کو صحیح اور درست سمجھتا ہے پھر بعد میں وہ مسئلہ اس کی نگاہ میں غلط قرار پاتا ہے، اسی لئے ایک ہی مسئلہ کے سلسلہ میں ایک ہی عالم کے مختلف اقوال ملتے ہیں، اس لئے ناظرین کو

یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ میں نے اپنی کتاب میں مسئلہ کی جو تشریح وتوضیح اور امثال و نظائر پر قیاس کر کے جس طرح مسئلہ کو منقح کیا ہے وہ بالکل قطعی ہے، جس میں کسی اختلاف کی کوئی گنجائش نہیں ہے، اس لئے میری نگاہ میں ایسے حضرات کی وقعت ذرا بھی کم نہیں ہوتی جو میری رائے اور میرے طریق کے مخالف ہیں، میری اپنی رائے میرے اپنے اجتہاد اور نظر کا نتیجہ ہے، دوسرے مجتہدین کو بھی اپنے اجتہاد کے مطابق رائے قائم کرنے کی پوری گنجائش ہے، البتہ جو اجتہاد کے اہل نہ ہوں وہ میرے طریقۂ استدلال کو مسائل سمجھنے کا زینہ اور معاون سمجھیں، **والله ولي التوفيق والهادي إلى سبيل الرشاد، وهو حسبي و نعم الوكيل**".

میں نے ''المنتقی'' کے مقدمہ کی مذکورہ بالا عبارت یہاں پر اس لئے نقل کردی ہے تا کہ اس سے اس کتاب کے ناظرین بھی مستفید ہوں کیونکہ اس میں بہت بیش قیمت باتیں آ گئی ہیں۔

۹۔ حافظ محمد بن عبداللہ بن احمد مشہور بہ قاضی ابوبکر ابن العربی المالکی معافری اندلسی۔

۲۲/شعبان ۴۶۸ھ پنج شنبہ کی شب میں آپ کی ولادت ہوئی اور ربیع الآخر ۵۴۳ھ شہر فاس میں انتقال فرمایا، آپ کی تصنیفات بہت زیادہ ہیں، جن میں سب سے مشہور ''عارضۃ الأحوذی علی جامع الترمذی'' ہے، ''موطأ'' کی شرح کا نام ''القبس'' ہے۔

ابن فرحون کہتے ہیں کہ ''ابن العربی'' سے دنیائے علم میں دو شخصیتیں

مشہور ہیں، ایک یہ قاضی ابو بکر ابن العربی اور دوسرے ''فتوحات مکیہ'' اور ''فصوص الحکم'' کے مؤلف محی الدین ابن عربی، لیکن دونوں میں فرق یہ ہے کہ ابو بکر کو ''ابن العربی'' (الف لام کے ساتھ) کہا جاتا ہے جب کہ شیخ محی الدین کو ''ابن عربی'' (بغیر الف لام) سے جانا جاتا ہے۔

قاضی ابن العربی کی شرح ''القبس'' بیروت سے ۱۹۹۲ء میں تین جلدوں میں شائع ہوچکی ہے۔

۱۰۔حافظ ابو سلیمان خطابی شافعی۔

''معالم'' کے مؤلف اور ابوداود و بخاری کے شارح، متوفی ربیع الاول ۳۸۸ھ، بخاری کی شرح دو جلدوں میں چھپ گئی ہے۔

آپ کا پورا نام ہے: حمد بن محمد بن ابرہیم بستی (ہراۃ وغزنہ کے درمیان ملک افغانستان کا ایک شہر بست کی طرف نسبت ہے) کہا جاتا ہے کہ خاندانی طور پر آپ کا سلسلہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تک پہونچتا ہے، انہی سے مروی ہے کہ میرا نام ''حمد'' تھا، لیکن لوگ احمد لکھتے تھے تو میں نے ''احمد'' ہی رہنے دیا، انہوں نے ''موطأ'' کا انتخاب اور تلخیص کا کام انجام دیا ہے۔

۱۱۔محمد بن سحنون

علمائے مالکیہ کے مشہور فقیہ، آپ کا نام لینا ہی کافی ہے، نام کے بعد اوصاف بیان کرنے کی چنداں ضرورت باقی نہیں رہتی، آپ کی تصانیف دوسو کے قریب ہیں، ''شرح الموطأ'' چار اجزاء میں ہے، آپ کی ولادت ۲۰۲ھ میں ہوئی اور ۲۵۶ھ بمقام ساحل وفات پائی، (ابن فرحون)۔

۱۲۔علامہ قرافی

آپ کا پورا نام ہے: محمد بن یحییٰ بن عمر بن احمد بن یونس مصری قاضی بدر الدین جو قرافی سے مشہور ہیں، مصر میں قضاء کے منصب پر فائز رہے، احمد بابا تنبکتی نے ''نیل الابتہاج'' میں آپ کی تصنیفات میں سے ''شرح الموطأ'' کا ذکر کیا ہے۔

۱۳۔ابو محمد عبداللہ بن نافع

صائغ کے لقب سے مشہور ہیں، ان کی وفات ۱۸٦ھ میں ہوئی۔

ابن فرحون کے بقول آپ کی ایک کتاب ''تفسیر الموطأ'' کے نام سے مشہور ہے۔

۱۴۔علامہ ابوالولید بن قصار۔

آپ کا نام ہے: قاضی یونس ابوالولید بن محمد بن مغیث معروف بہ ابن القصار، آپ قرطبی ہیں، تصوف کی طرف میلان طبعی رکھتے تھے، آنکھیں ہمیشہ اشک بار رہتیں، لیکن فقہ کے مرد میداں نہ تھے، کئی جگہوں کے قاضی بنائے گئے، ''الموعب'' کے نام سے ''موطأ'' کی شرح لکھی، ماہ رجب ۴۱۹ھ میں انتقال فرمایا (ابن فرحون)۔

۱۵۔علامہ قاضی محمد بن سلیمان بن خلیفہ۔

آپ کی کنیت ابوعبداللہ ہے، ''کتاب المحلیٰ'' کے نام سے ''موطأ'' کی شرح لکھی، فقیہ ابوالمطرف شعبی کی خدمت میں جب ''المحلیٰ'' پیش کی تو انہوں

نے ''المحلیٰ'' کی حاء پر ایک نقطہ رکھنے کو کہا، یہ کتاب لوگوں میں کچھ زیادہ مقبول نہ ہوسکی اور نہ ہی پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھی گئی، (ابن فرحون)۔

۱۶۔ علامہ ابوبکر بن سابق صقلی۔

سیوطی کہتے ہیں: صقلی بحر مغرب کا ایک جزیرہ ہے، علامہ سیوطی نے ''موطأ'' کی شرح کا نام ''المسالک'' ذکر کیا ہے۔

۱۷۔ محمد بن سعید بن احمد بن سعید معروف بہ ابن زرقون۔

زرقون ان کے پردادا سعید کا لقب تھا، ان کی بھی کئی تصنیفات ہیں، انہوں نے ایک کتاب لکھی جس میں ''المنتقی'' اور ''الاستذکار'' دونوں کتابوں کا خلاصہ جمع کر دیا ہے، (ابن فرحون)، تاریخ ولادت ۵۰۲ھ اور تاریخ وفات ۵۸٦ھ ہے۔

۱۸۔ ابن ابی صفرہ۔

علامہ سیوطی نے ''التنویر'' میں یہی نام ذکر کیا ہے لیکن ابن فرحون نے محمد ابن احمد بن اسید بن ابی صفرہ ذکر کیا ہے جو مہلب بن ابی صفرہ کے بھائی ہیں، تلخیص قابسی کے اختصار کی انہوں نے شرح کی ہے، ۴۲۰ھ سے پہلے وفات پائی۔

۱۹۔ قاضی ابوعبداللہ بن الحجاج۔

۲۰۔ ابوالولید ابن العواد یا ابوالولید ابن عود۔

۲۱۔ ابوالقاسم ابن امجد کاتب۔

۲۲۔ ابوالحسن اشبیلی۔

سیوطی کہتے ہیں کہ اندلس کے مشہور اور اہم شہر اشبیلیہ کی طرف منسوب ہیں، بندہ عرض کرتا ہے کہ یہ علی بن محمد بن محمد ہیں جن کی وفات ۶۱۰ھ کے قریب ہے، ان کی کتاب ''المدارک فی مقطوع حدیث مالک'' ہے، ''دیباج'' کے حاشیہ پر اس کا ذکر ہے، سیوطی نے تنویر میں ابوالحسن بن الحضار کی روایت سے ''تقریب المدارک علی موطأ مالک'' نام ذکر کیا ہے۔

۲۳۔ابن شراحیل۔

۲۴۔ابوعبداللہ محمد بن خلف بن موسی اوسی متوفی ۵۳۷ھ۔

اہل بیرہ میں سے ہیں، ابن فرحون کے مطابق ''موطأ'' اور ''صحیح البخاری'' کی مشکلات کی شرح کی ہے۔

۲۵۔عبداللہ ابومحمد بن ابی القاسم فرحون یعمری تونسی متوفی ۶۳۷ھ۔

آپ بھی کئی کتابوں کے مصنف ہیں، ''الدرالملخص من التقصی والمخلص'' نام سے ایک کتاب لکھی جس میں ''التقصی'' اور ''المخلص'' کی حدیثوں کو جمع کیا ہے اور چار جلدوں میں اس کی بڑی شرح لکھی، جس کا نام ''کشف الغطاء فی شرح مختصر الموطأ'' ہے۔

۲۶۔ابوالمطرف عبدالرحمان بن مروان قنازعی قرطبی متوفی ۴۱۳ھ۔

ابن فرحون کے بقول ان کی ''موطأ'' کی شرح ایک مشہور، مفید اور عمدہ شرح ہے۔

۲۷۔ابوالحسن علی بن ابراہیم غسانی متوفی ۶۰۹ھ۔

آپ نے ''نہج المسالک للتفقہ فی مذھب مالک'' کے نام سے ''موطأ'' کی شرح لکھی ہے۔

۲۸۔ابوالمجد عقیل بن عطیہ قضاعی۔

طرطوشہ کے رہنے والے تھے، ''موطأ'' کی شرح لکھی، وفات ۶۰۸ھ میں ہوئی۔

۲۹۔ابوعمر طلمنکی۔

سیوطی نے ''تنویر'' میں یہی ذکر کیا ہے، ایسا لگتا ہے کہ یہ احمد بن محمد ہیں جن کا تذکرہ رجال ''موطأ'' میں آئے گا۔

۳۰۔یحیٰی بن مزیّن۔

سیوطی نے ''تنویر'' میں ان کا ذکر کیا ہے اور ان کی شرح کا نام ''المستقصیۃ'' لکھا ہے، ابن فرحون کہتے ہیں کہ ان کا نام یحیٰی بن زکریا بن ابرہیم ابن مزین ہے جو رملہ بنت عثمان بن عفان کے مولی ہیں، اصلاً طلیطلہ کے رہنے والے ہیں، پھر قرطبہ میں سکونت اختیار کر لی تھی، آپ نے ''موطأ''، مکمل یاد کر لیا تھا، فقہ میں مہارت حاصل تھی، آپ کی بیش بہا تصنیفات میں ''تفسیر الموطأ''، ''تسمیۃ رجال الموطأ''، ''علل حدیث الموطأ''، ''المستقصیۃ'' ہے، فن حدیث میں زیادہ درک نہیں تھا، جمادی الاولی ۲۵۹ھ میں وفات پائی۔

۳۱۔ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ ابی زمنین مری بیری۔

محدث، فقیہ اور شاعر تھے، سیوطی نے ''تنویر'' میں ان کی شرح کا نام

''المقرب'' ذکر کیا ہے، ابن فرحون کہتے ہیں کہ یہ ابن مزین کی شرح کا اختصار ہے، مقام بیرہ میں ۳۹۹ھ میں وفات پائی۔

۳۲۔ خاتمۃ الحفاظ علامہ ابو الفضل جلال الدین عبدالرحمان بن کمال الدین ابی بکر بن محمد سیوطی۔

ان کو اسیوطی بھی کہا جاتا ہے، ملک مصر کے رہنے والے ہیں، آپ کا نام ہی آپ کے اوصاف پر روشنی ڈالنے کے لئے کافی ہے، یکم رجب ۸۴۹ھ میں یکشنبہ کی رات میں آپ کی ولادت ہوئی، ۸۶۴ھ سے علمی امور میں مشغول ہو گئے تھے، آپ کی تصنیفات بے شمار ہیں، ایک رسالہ میں خود ذکر کرتے ہیں کہ ان کی تصانیف کی تعداد پانچ سو کے قریب ہے، ۹/ جمادی الاولیٰ ۹۱۱ھ بوقت عصر بروز جمعہ آپ نے انتقال فرمایا، آپ نے پہلے ''کشف المغطی عن الموطأ'' کے نام سے ایک کتاب لکھی، پھر اس سے مختصر دوسری شرح ''تنویر الحوالک علی موطأ مالک'' کے نام سے تصنیف کی، نیز ''تجرید احادیث الموطأ'' کے نام سے ایک کتاب لکھی، اس میں ''موطأ'' کی احادیث کی تجرید کی، ''موطأ'' کے رجال پر ایک کتاب ''اسعاف المبطأ برجال الموطأ'' کے نام سے ترتیب دی۔(۱)

۳۳۔ علامہ زرقانی مالکی۔

آپ کا نام ہے محمد بن عبدالباقی بن یوسف بن احمد ازہری، ''کشف الظنون'' اور ''سلک الدرر'' کے مطابق ۱۱۲۲ھ میں آپ کی وفات ہوئی، اپنے والد

---

(۱) ''الضوء اللامع'' (۴/۶۵،۷۰)، ''شذرات الذہب'' (۸/۵۱)، ''حسن المحاضرۃ'' (۱/۱۸۸،۱۹۵)۔

اور شیخ نور علی شبراملسی اور شیخ محمد بابلی وغیرہم سے علم حاصل کیا، ''المواھب اللدنیۃ'' پر آپ کی ایک عظیم شرح ہے، ابوالضیاء علی شبراملسی کے تلمیذ ہیں، (مصر کے ایک گاؤں شبراملس کی طرف نسبت ہے) آپ کی شرح موطأ کی شروح میں عمدہ شرح ہے جس کا اکثر حصہ ''فتح الباری'' سے ماخوذ ہے، ۱۱۰۹ھ میں یہ شرح لکھنی شروع کی اور ۱۱/ ذی الحجہ ۱۱۱۲ھ بروز دوشنبہ بوقت اذان عصر اس سے فراغت ہوئی، چار جلدوں میں یہ شرح چھپ کر منظر عام پر آچکی ہے۔

۳۴۔ شیخ سلام اللہ حنفی۔

آپ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی اولاد میں ہیں، آپ کا پورا نام ہے: سلام اللہ بن شیخ الاسلام بن عبدالصمد دہلوی، آپ کے والد شیخ الاسلام نے بخاری کی شرح فارسی زبان میں لکھی تھی اور آپ کے دادا فخر الدین نے مسلم کی شرح فارسی میں کی، آپ کا خانوادہ ایک علمی خانوادہ مانا جاتا ہے، آپ کی شرح کا نام ''المحلی بأسرار الموطأ'' ہے، ۱۲۱۵ھ میں یہ شرح لکھ کر آپ فارغ ہو چکے تھے، اب تک یہ شرح زیور طبع سے آراستہ نہیں ہوسکی ہے، اس کا نصف اخیر مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور کے مکتبہ میں موجود ہے، راجح قول کے مطابق آپ کی تاریخ وفات ۱۲۲۹ھ ہے، ایک قول ۱۲۲۳ھ کا بھی ہے۔(۱)

۳۵۔ عبدالملک بن مروان بن علی۔

''بستان المحدثین'' میں آپ کا نام ونسب اسی طرح مذکور ہے، کسی اور

---

(۱) ''التعلیق الممجد'' (۱/۱۰۴)، ''نزہۃ الخواطر'' (۷/۲۰۱)۔

کتاب میں آپ کا نسب میری نظر سے نہیں گذرا، ''بستان المحدثین'' کے مصنف لکھتے ہیں کہ ان کی شرح ''کشف المغطأ'' کے نام سے دیار مغرب میں مشہور اور بہت مفید شرح ہے۔

ابن فرحون ''الدیباج'' میں کتاب کے شروع میں مروان ابوعبدالملک بونی شارح ''الموطأ'' کے نام سے ان کا ذکر کرتے ہیں، باب میم میں لکھتے ہیں: مروان ابوعبدالملک بن علی بونی، اصلاً اندلس کے رہنے والے ہیں، بلاد افریقہ کے شہر ''بونہ'' میں سکونت اختیار کرنے کی وجہ سے بونی آپ کی نسبت ہے، ''موطأ'' کی بہت اچھی اور مفید شرح لکھی ہے، حاتم طرابلسی اور ابن الحذاء نے آپ سے روایت کی ہے، ۴۴۰ھ سے پہلے آپ کی وفات ہوئی۔

۳۶۔ابوعمران موسیٰ زنانی۔

''نیل الابتہاج'' میں ان کا تذکرہ ہے۔

۳۷۔شیخ زین الدین عمر بن احمد شماع حلبی۔

''الانتقاء'' کے نام سے آپ نے ''موطأ'' کی شرح کی ہے۔

۳۸۔قاضی محمد ابوعبداللہ بن یحیٰ بن محمد حذاء تمیمی۔

''الاستنباط لمعانی السنن والأحکام من أحادیث الموطأ'' کے نام سے آٹھ اجزاء میں آپ نے ''موطأ'' کی شرح لکھی ہے، ایک اور کتاب ''التعریف برجال الموطأ'' کے نام سے چار اجزاء میں ہے، ۳۴۷ھ میں ولادت ہوئی اور ۴۱۰ھ میں وفات پائی۔

۳۹۔شیخ المشائخ علامہ امام شاہ ولی اللہ دہلوی۔

آپ کی شہرت ومقبولیت عرب وعجم میں یکساں ہے، آپ کا نام نامی دنیائے علم میں اس قدر معروف ہے کہ آپ کے اوصاف بیان کرنے کی چنداں ضرورت نہیں رہتی۔

آپ کا پورا نام ہے: قطب الدین احمد بن عبدالرحیم بن وجیہ الدین عمری فاروقی ،۴؍شوال ۱۱۱۴ھ بروز پنجشنبہ آپ کی ولادت ہوئی، سات سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کرلیا تھا، اور پندرہ سال کی عمر میں جملہ علوم وفنون میں ماہر ہوگئے تھے، سترہ سال کے تھے کہ والد صاحب کا سایہ سر سے اٹھ گیا، آپ اسی وقت سے والد صاحب کی جگہ تدریس وافادہ میں مشغول ہوگئے، سید زاہد ہروی کے تلامذہ میں سے ہیں، سید زاہد نے انھی کی خاطر ''شرح المواقف'' پر اپنے حواشی لکھے، ۱۱۷۶ھ یا ۱۱۷۴ھ میں آپ کی وفات ہوئی، آپ کی تصنیفات علمی دنیا میں بے حد مشہور ہیں، آپ کی جلیل القدر تصنیف ''حجۃ اللہ البالغۃ'' اپنے موضوع پر بے نظیر اور منفرد کتاب ہے، آپ نے ''موطأ'' کی دو شرحیں لکھی ہیں، ایک ''المصفی'' کے نام سے فارسی میں اور دوسری ''المسوی'' کے نام سے عربی میں، یہ ''المصفی'' سے کچھ مختصر ہے، آپ کے فضائل ومناقب بے شمار ہیں۔(۱)

سفینہ چاہئے اس بحر بے کراں کے لئے

---

(۱) حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے حالات وکارناموں کو جاننے کے لیے حضرت مولانا علی میاں ندویؒ کی کتاب ''تاریخ دعوت وعزیمت'' حصہ پنجم کا مطالعہ کیجئے۔

۴۰۔علامہ شیخ علی القاری الھروی ثم المکی۔

علم وفضل کے بام عروج تک آپ کی رسائی تھی، آپ کا پورا نام ہے: علی ابن سلطان محمد ہروی، مکہ مکرمہ میں فروکش ہونے کی وجہ سے مکی کہلائے، ملا علی قاری حنفی کے نام سے زیادہ مشہور ہیں، آپ علم کا سمندر تھے، ہرات میں پیدا ہوئے، پھر مکہ میں سکونت اختیار کی، شیخ ابوالحسن بکری اور شیخ احمد بن حجر مکی سے علم حاصل کیا، شوال ۱۰۱۴ھ میں مکہ مکرمہ میں آپ کی وفات ہوئی، کہا جاتا ہے کہ ہزار سال کے سرے پر آپ ہی مجدد کے رتبہ پر فائز تھے، (ملاحظہ ہو حاشیہ ''الفوئد البہیۃ'' اور ''التعلیق الممجد'')۔(۱)

اس میں یہ بھی ذکر ہے کہ ملا علی قاری نے ''موطأ محمد'' کی شرح دو جلدوں میں کی ہے(۲)، جن میں بہت سی نادر اور عمدہ ومفید باتیں اور مباحث ہیں، ''التعلیق الممجد'' میں ان کی پچاس سے زیادہ کتابوں کا تذکرہ ہے جن میں مشکاۃ کی شرح ''المرقاۃ'' اور ''شرح الشفاء'' شمائل ترمذی کی شرح ''جمع الوسائل'' ''شرح الحصن الحصین''، ''شرح مختصر الوقایۃ''، ''شرح الشاطبیۃ''، ''شرح شرح نخبۃ الفکر''، سند الأنام شرح مسند الامام''، ''اعراب القاری علی اول باب البخاری'' وغیرہ کا تذکرہ ہے۔(۳)

(۱) ''التعلیق الممجد'' (۱/۱۰۶)

(۲) یہ شرح اب تک زیورِ طبع سے آراستہ نہیں ہوسکی ہے، مخطوطہ کی ایک فوٹو کاپی میرے خاص مکتبہ میں موجود ہے۔

(۳) ملا علی قاریؒ کی حیات وتصنیفات کے سلسلہ میں استاذ خلیل ابراہیم قوتلائی کی کتاب ''الإمام علی القاری وأثرہ فی علم الحدیث'' دیکھئے۔

۴۱۔شیخ پیرزادہ حنفی

آپ کا پورا نام ہے: شیخ ابومحمد ابراہیم بن حسین بن احمد بن محمد بن احمد بن بیری، آپ مکہ مکرمہ کے مفتی تھے، ''پیرزادہ'' سے مشہور ہیں، صاحب تصانیف فقیہ ہیں، آپ کی تصنیفات کی تعداد ستر سے بھی زیادہ ہے، جن میں چند کتابوں کا تذکرہ ''الحدائق الحنفیۃ'' میں ہے، مدینہ منورہ میں ۱۰۲۰ھ کے بعد آپ کی ولادت ہوئی اور شوال ۱۰۹۲ھ بروز یکشنبہ مکہ میں انتقال فرمایا، اور معلاۃ میں مدفون ہیں، مدینہ منورہ کے مکتبہ عارف حکمت میں اس مختصر شرح کا قلمی نسخہ ہے، ان کی شرح کا نام ''الفتح الرحمانی'' ہے، جس میں زیادہ تر علامہ عینی سے استفادہ کیا گیا ہے۔(۱)

۴۲۔شیخ عثمان بن یعقوب بن حسین بن مصطفیٰ کرخی ترکمانی ثم اسلامبولی

آپ بارہویں صدی کے نصف اخیر کے جلیل القدر علماء میں سے ہیں، ''موطأ'' کی شرح ''المہیا فی کشف أسرار الموطأ'' کے نام سے کی ہے جس کا ابتدائی جملہ یہ ہے'' سبحان من أرسل رسوله بالهدى و دين الحق '' یکم ذی الحجہ ۱۱۶۱ھ بروز جمعہ بوقت چاشت اس تصنیف کا آغاز فرمایا تھا، اس وقت آپ کی عمر ۶۵ رسال تھی، قاہرہ کے دار الکتب المصریۃ میں اس کا قلمی نسخہ موجود ہے۔

۴۳۔علامہ شیخ عبدالحیی لکھنوی ابن الشیخ عبدالحلیم۔(۲)

---

(۱) دیکھئے: ''خلاصۃ الأثر'' (۱/۱۹، ۲۰)۔ (۲) مولانا عبدالحیؒ لکھنویؒ کے تفصیلی حالات کے لیے ملاحظہ کیجئے، مولانا ولی الدین ندوی کی کتاب ''الإمام عبدالحیؒ اللکنوی علامۃ الہند وإمام المحدثین والفقہاء''۔

آپ ہندوستان کے شہر ''باندہ'' میں ۲۶/ذی قعدہ ۱۲۶۴ھ بروز سہ شنبہ پیدا ہوئے اور ۱۳۰۴ھ میں انتقال کیا، آپ کی تصنیفات بے شمار ومشہور ہیں ''موطأ بروایۃ محمد'' پرایک تفصیلی اورطویل حاشیہ لکھا، جوحاشیہ کے بجائے ایک ضخیم شرح کی حیثیت رکھتا ہے، اس کا نام ہے ''التعلیق الممجد علی موطأ محمد''۔(۱)

علامہ عبدالحی لکھنوی نے ''موطأ بروایۃ یحی'' پر ''موطأ بروایۃ محمد'' کوکئی حیثیتوں سے ترجیح دی ہے، جومندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ یحی اندلسی نے امام مالک سے مکمل ''موطأ'' کا سماع حاصل نہیں کیا، بلکہ کچھ حصہ چھوٹ گیا، جس کوامام مالک کے بعض تلامذہ سے حاصل کیا، جب کہ امام محمد نے امام مالک سے مکمل ''موطأ'' کوحاصل کیا، اورظاہر ہے کہ امام مالک سے براہ راست مکمل سماعت کو بالواسطہ سماعت پر ترجیح حاصل ہوگی۔

۲۔ یحی اندلسی امام مالک کی خدمت میں بالکل اخیر میں بلکہ وفات کے سال تشریف لائے، اسی لئے ان کی تجہیز وتکفین میں بھی شریک رہے، جب کہ امام محمد نے پورے تین سال امام مالک کی خدمت میں رہ کر ''موطأ'' کوحاصل کیا اورظاہر ہے کہ زیادہ مدت تک خدمت میں رہنے والے کی روایت کوکم مدت تک رہنے والی کی روایت پرترجیح حاصل ہوگی۔

---

(۱) اس شرح میں ضبط واتقان کا پورا خیال رکھا گیا ہے، دیگر شروح موطأ میں جواحکام ومسائل اور باتیں ہیں سب کا خلاصہ اس میں درج کردیا گیا ہے، علماء کے حالات زندگی بھی اختصار کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں، یہ شرح بھی ہماری تحقیق کے ساتھ دارالقلم دمشق سے تین جلدوں میں چھپ چکی ہے۔

۳۔ ''موطأ یحیٰ'' میں بہت سے فقہی مسائل اور امام مالک کے اجتہادات ہیں، اور بہت سے تراجم وابواب تو ایسے ہیں جن میں امام مالک کے اجتہاد واستنباط کا صرف تذکرہ ہے، کسی حدیث یا اثر کا ذکر نہیں ہے، جب کہ ''موطأ محمد'' کا کوئی بھی باب، ''ترجمۃ الباب'' کی مناسب کسی مرفوع یا موقوف حدیث سے خالی نہیں ہے، اور ظاہر ہے کہ ذاتی رائے کے بغیر نفس احادیث پر جو کتاب مشتمل ہوگی وہ ضرور اس کتاب پر راجح قرار دی جائے گی جس میں ذاتی رائے کو بھی شامل کیا گیا ہو۔

۴۔ ''مؤطا یحیٰ'' میں صرف امام مالک کے طریق سے روایت کردہ احادیث ہیں جب کہ ''موطأ محمد'' میں امام مالک کے ساتھ ساتھ دوسرے شیوخ سے مروی احادیث بھی شامل ہیں، اور ظاہر ہے کہ جس کتاب میں زیادہ احادیث ہوں ان کو کم احادیث والی کتاب پر فضیلت ضرور دی جائے گی، اس کے علاوہ بھی کئی وجوہ سے ''موطأ محمد'' کو ''موطأ یحیٰ'' پر ترجیح وفضیلت حاصل ہونے کا ذکر کیا ہے، ملاحظہ ہو ''مقدمہ التعلیق الممجد''۔(۱)

---

(۱) ''مقدمہ التعلیق الممجد'' (۱/۱۲۸)۔ (اس شرح میں علامہ لکھنوی نے تمام شروح موطأ کا ملخص جمع کر دیا ہے، انہوں نے الفاظ غریبہ کی شرح اور احکام فقہیہ پر خاص توجہ مرکوز کی ہے، نیز رجال ورواۃ حدیث پر کلام کیا ہے، کئی مرتبہ ہند وپاک میں یہ کتاب چھپ چکی ہے، اس ناچیز نے اس کتاب پر کافی محنت صرف کی ہے، جو دار القلم بیروت سے متعدد بار تین جلدوں میں شائع ہو چکی ہے، اور عالم عربی میں مقبول ہے)۔

۴۴۔''اوجز المسالک الی موطأ مالک'' کےجلیل القدر مؤلف امام علامہ برکۃ العصر، شیخ الحدیث ہمارے استاد گرامی مولانا محمد زکریا کاندھلوی مہاجر مدنی ہیں۔

مدینہ منورہ ہی میں آپ نے انتقال فرمایا اور جوار رسول ''بقیع'' میں مدفون ہیں،آپ کی تاریخ وفات یکم شعبان ۱۴۰۲ھ مطابق ۲۴رمئی ۱۹۸۲ء ہے۔

دنیائے اسلام کے مایۂ ناز عالم وداعی مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ''اوجز المسالک'' کےمقدمہ میں فرماتے ہیں:''حدیث حضرت شیخ کا محبوب علم اورفن ہی نہیں تھا بلکہ فن حدیث آپ کے ذوق وحال سے اس طرح ہم آہنگ اورآپ کی زندگی سے اس طرح وابستہ ہوگیا تھا کہ حدیث کے بغیر آپ کی زندگی کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا تھا۔(ملاحظہ ہواوجز کا مقدمہ)۔

اس عظیم وضخیم شرح کی خصوصیات پر روشنی ڈالنے کے لئے میں محدث کبیر علامہ شیخ محمد یوسف بنوریؒ کی وہ عبارت نقل کرنا چاہتا ہوں جوانہوں نے اس شرح کے مقدمہ میں تحریر فرمائی ہے، لکھتے ہیں:

ا۔اس کی اولین خصوصیت یہ ہے کہ متن حدیث اورالفاظ سند کی حرف بہ حرف شرح ہے جس سے ناظرین کوبڑی آسانی ہوگئی ہےاورسیاق وسباق کاسمجھنا سہل ہوگیا ہے۔

۲۔دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اس شرح میں ''موطأ'' کے الفاظ کے ساتھ ساتھ صحاح ستہ میں وارد الفاظ کی طرف بھی اشارہ کر دیا گیا ہے تاکہ

ناظرین کے سامنے حدیث کے الفاظ ہر طرح سے واضح ہوجائیں اور کسی ایک کو ترجیح دینا آسان ہوجائے۔

۳۔تیسری خصوصیت یہ ہے کہ اس میں اسمائے رجال کی مختصر لیکن واضح شرح موجود ہے، اور جرح وتعدیل سے بھی بحث کی گئی ہے، جس سے ناظرین کو حدیث کے درجہ کا علم ہوجاتا ہے۔

۴۔اختلافی مسائل میں ائمہ اربعہ وغیرہ کا مذہب ان کی معتبر کتابوں سے پوری تفصیل اور وضاحت کے ساتھ نقل کیا گیا ہے ،خصوصاً مذہب مالکی کے ادلّہ و مسائل تفصیلی طور پر بیان کئے گئے ہیں، جس سے کسی بھی مذہب کی تقلید کرنے والے کے سامنے مسئلہ پوری وضاحت کے ساتھ منقح ہوجاتا ہے۔

۵۔مختلف مذاہب کے دلائل حسب ضرورت کبھی تفصیل اور کبھی اختصار کے ساتھ بیان کردیئے گئے ہیں۔

٦ ۔ حدیث کی شرح کرتے وقت ''موطأ'' کے جلیل القدر اور عظیم المرتبت شارحین مثلاً قاضی ابو الولید باجی ، قاضی عیاض جیسے ائمہ اور متاخرین شارحین سے بھی پوراپورا استفادہ کیا گیا ہے۔

۷۔حدیث ،فقہ اور لغت کے اعتبار سے'' موطأ'' کی جامع ترین شرح ہے، جس میں ہر باب کے سلسلہ میں ضروری باتیں عرض کردی گئی ہیں، نہ اس میں اختصار مخل ہے نہ تفصیل ممل۔

۸۔ حدیث کی شرح کے سلسلہ میں متقدمین جلیل القدر شارحین کے اقوال نقل کرنے کے بعد اپنے زمانہ کے علماء کبار اور محدثین عظام کی آراء وافکار بھی ذکر کرتے ہیں، جن سے شرح کی قدر و قیمت دوبالا ہوجاتی ہے، خصوصاً ''بذل المجہود فی شرح سنن أبی داود'' کے جلیل القدر مؤلف حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوری، فقیہ العصر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، خود حضرت شیخ الحدیث کے والد بزرگوار اور حضرت گنگوہی کے شاگرد خاص حضرت مولانا یحیی کاندھلوی اور ہندوستان کے علماء محققین مثلاً شاہ ولی اللہ دہلوی کے ''مصفی'' میں ذکر کردہ فرمودات، محدث لکھنوی کی ''سعایہ'' میں بیان کردہ اور محدث سنبھلی کی شرح ''مسند أبی حنیفہ'' میں اور محدث نیموی کی ''آثار السنن'' میں ذکر کردہ افادات سے یہ شرح آراستہ ومزین ہے، ظاہر ہے کہ یہ علوم ومعارف ہندوستان سے باہر اس وقت تک نہیں پہونچ سکے تھے، اس عظیم شرح کے ذریعہ ہی یہ اہم اور انتہائی مفید مباحث وعلوم علمائے عرب تک پہونچے، جو اس شرح کی نمایاں خصوصیت ہے۔

۹۔ قدماء ومتاخرین کی ان کتابوں کی بھی بیش بہا اور قیمتی باتیں اس شرح کی زینت ہیں جو قاہرہ اور بلاد عرب میں اس وقت تک زیور طبع سے آراستہ نہیں ہوسکی تھیں، مثلاً متقدمین محدثین کے عبقری الأمۃ امام طحاوی کی ''مشکل الآثار'' اور ''شرح معانی الآثار''، اسی طرح امام محمد بن الحسن شیبانی کی ''الحجج'' اور ''الآثار''، بدرالدین عینی کی ''البنایۃ شرح الہدایۃ'' وغیرہ کی انتہائی

بیش قیمت بحثوں سے دنیائے عرب اس وقت تک ناواقف تھی، بلاد عرب کے اصحاب علم وفضل تک یہ باتیں اسی شرح کے ذریعہ پہونچیں۔(۱)

۱۰۔شروع سے اخیر تک یہ شرح بہت ہی واضح، آسان اور فصیح زبان سے آراستہ ہے، کسی بھی عبارت میں پیچیدگی یا طرز ادا میں ژولیدگی کا نام ونشان نہیں، اختصار وتفصیل کی ایسی درمیانی راہ اپنائی گئی ہے کہ یہ شرح نہایت ہی معتدل شرح قرار دی جاسکتی ہے۔

اس عظیم الشان شرح کی یہ دس اہم خصوصیات سرسری طور پر ہم نے بیان کی ہیں، اس کی جملہ خصوصیات اور خوبیاں اور باریکیاں بیان کرنا نہ مقصد ہے اور نہ ممکن ہے، والله ولي كل توفيق و هو حسبنا و نعم الوكيل''۔

یہ شرح ہندوستان میں اولاً چھ ضخیم جلدوں میں شائع ہوئی پھر قاہرہ سے پندرہ جلدوں میں شائع ہوئی اور اب ہماری تحقیق سے مع فہرست وفوائد اٹھارہ جلدوں میں شائع ہوئی ہے، والله ولي التوفيق۔

غریب الموطأ کی شرح:

غریب ''موطأ'' کی شرح کئی لوگوں نے کی ہے جن میں سے بعض حضرات کا تذکرہ علامہ سیوطی نے ''تنویر الحوالک'' میں کیا ہے۔

۱۔تفسیر غریب الموطأ

یہ عبدالملک بن حبیب سلمی اندلسی کی تصنیف ہے، آپ کی تاریخ وفات ۲۳۸ھ ہے، یہ کتاب مکتبہ عبیکان ریاض سے دو جلدوں میں شائع ہوچکی ہے۔

(۱) اس زمانہ میں یہ کتابیں طبع ہوچکی ہیں۔

۲۔علامہ برقی۔

آپ کا پورا نام محمد بن عبداللہ بن عبدالرحیم بن ابی زرعہ برقی ہے، ابن فرحون کہتے ہین کہ آپ کی ایک کتاب تاریخ میں ہے، اسی طرح ان کی کتابیں طبقات الفقہاء کے باب میں رجال ''موطأ'' اورغریب ''موطأ'' کے سلسلہ میں بھی ہیں، آپ اصحاب حدیث میں سے تھے، آپ کا خانوادہ مصر میں علمی خانوادہ مانا جاتا تھا، ۲۴۹ھ میں انتقال کیا۔

۳۔احمد بن عمران اخفش۔

آپ کا پورا نام احمد بن عمران بن سلامہ الہانی ابوعبداللہ نحوی ہے، آپ اخفش کے لقب سے معروف ومشہور ہیں، آپ کی تصنیف ''غریب الموطأ'' ہے، ۲۵۰ھ سے پہلے آپ کی وفات ہوئی، ''بغیہ'' میں علامہ سیوطی نے اس کا تذکرہ کیا ہے۔

۴۔ابوالقاسم عثمانی مصری۔

۵۔ابوعبداللہ بن الفرج۔

آپ کا پورا نام اصبغ بن فرج بن نافع ہے، فسطاط میں سکونت اختیار کرلی تھی، امام مالک سے سماعت کے لئے سفر کرکے مدینہ منورہ پہونچے لیکن اسی دن امام مالک کا انتقال ہوگیا، آپ کی وفات مصر میں ۲۲۵ھ میں ہوئی، ابن فرحون نے ''تفسیر غریب الموطأ'' کو ان کی تصنیفات میں شمار کیا ہے۔

٦۔ہشام اندلسی متوفی ۴۸۹ھ

آپ کی تصنیف کا نام ہے ''التعلیق علی الموطأ'' دوجلدوں میں طبع ہوچکی ہے۔

۷۔قاضی عیاض نے ''مشارق الأنوار'' میں صحیحین کے ساتھ ''موطأ'' کی غریب کی بھی شرح کی ہے، محمد بن سعید بن ابی عبداللہ نے اس کو مہذب کیا ہے جو طراز کے نام سے مشہور ہیں، آپ کی تاریخ وفات ۶۴۵ھ ہے۔

رجال الموطأ:

''موطأ'' کے رجال پر تصنیف کرنے والے حضرات مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔قاضی محمد ابوعبداللہ بن یحی بن محمد بن الحذاء۔

آپ کی کتاب '' التعاريف برجال الموطأ ''ہے، جو چار اجزاء میں ہے۔

۲۔ابوعبداللہ بن مفرع

۳۔علامہ برقی محمد بن عبداللہ بن عبدالرحیم، غریب الموطأ میں ان کا ذکر آچکا ہے۔

۴۔ابوعمر طلمنکی، علامہ سیوطی نے ان کا تذکرہ کیا ہے۔

۵۔علامہ سیوطی

'' اسعاف المبطأ برجال الموطأ'' کے نام سے آپ نے ایک رسالہ تصنیف کیا جس کا ذکر ''موطأ'' کے شارحین کے ضمن میں آچکا ہے۔

مسند الموطأ:

''موطأ'' کی مسند حدیث پر تصنیف کرنے والوں کے اسماء گرامی یہ ہیں قاسم بن اصبغ، ابوالقاسم جوہری(۱)، ابوالحسن قابسی، ابوذر ہروی، ابوالحسن علی بن

---

(۱) جوہری کی ''مسند الموطأ'' ''دار الغرب الاسلامی'' سے ۱۹۹۷ء میں چھپ چکی ہے۔

حبیب سلجماسی، مطرز، احمد بن بہزاد فارسی، قاضی ابن المفرج، ابن الأعرابی، ابو بکر احمد بن سعید بن فرضح دخیمی۔

شواہد الموطأ:

قاضی اسماعیل نے ''شواہد الموطأ'' تصنیف کی ہے۔(۱)

اختلاف الموطأ:

ابوالحسن دارقطنی نے ''کتاب اختلاف الموطأ''(۲) تصنیف کی، قاضی ابو الولید نے بھی اس موضوع پر ایک کتاب تحریر کی، ابو عمر طلیطلی نے ''مسند الموطأ بروایۃ القعنبی'' تالیف کی، ابراہیم بن نصر سرقسطی نے ''موطأ بروایۃ القعنبی'' کی تلخیص کی، ابن جوصا کی کتاب ''جمع الموطأ من روایۃ ابن وہب وابن القاسم'' ہے، ابوبکر بن ثابت خطیب کی ''کتاب اطراف الموطأ'' ہے۔

ابن عبدالبر کی کتاب ''کتاب التقصی فی مسند حدیث الموطأ ومرسلہ''(۳) ہے، ابوعبداللہ بن عیشون طلیطلی کی کتاب کا نام ''توجیہ الموطأ'' ہے، حازم بن محمد ابن حازم کی ''السافر عن آثار الموطأ'' ہے، ''موطأ'' کے اسانید پر محمد بن یربوع کی ایک کتاب ''تاج الحلیۃ وسراج البغیۃ'' ہے۔

امام مالک کی جلیل القدر شخصیت اور ان کی شہرۂ آفاق کتاب ''موطأ'' کی اہمیت اور خصائص کا یہ مختصر بیان تھا جو اللہ کے فضل سے اختتام کو پہونچا۔

---

(۱) ملاحظہ ہو: ''سیر أعلام النبلاء'' (۱۳/۳۳۹)۔

(۲) یہ کتاب بیروت سے شائع ہو چکی ہے۔ (۳) طبع ہو چکی ہے۔

اس کتاب کی تسوید سے ناچیز ۱۱رمحرم الحرام ۱۳۹۸ھ بروز پنجشنبہ دس بجے دن فارغ ہوا۔

و لله الحمد أولاً و آخراً ، والصلوة والسلام على من لا نبي بعده، وعلى آله و أتباعه حملة الدين إلى يوم الدين.

ڈاکٹر تقی الدین ندوی
خادم حدیث شریف
رئاسۃ القضاء الشرعی ابوظبی
۱۵رشعبان ۱۳۹۹ھ

مراجع ومصادر

نمبر شمار	نام کتاب ومصنف	مطبع
۱	اسعاف المبطأ، علامہ سیوطی	حیدرآباد
۲	اوجز المسالک، شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی	بیروت
۳	اعلام الموقعین، علامہ ابن قیم	قاہرہ
۴	الإنصاف فی سبب الاختلاف، شاہ ولی اللہ دہلوی	قاہرہ
۵	الأنساب، علامہ سمعانی	لندن
۶	الاستذکار، علامہ ابن عبدالبر	بیروت
۷	الإصابہ، علامہ ابن حجر	قاہرہ
۸	البدایہ والنہایہ، حافظ ابن کثیر	قاہرہ
۹	بستان المحدثین، شاہ عبدالعزیز دہلوی	دہلی
۱۰	تذکرۃ الحفاظ، علامہ ذہبی	حیدرآباد
۱۱	تنویر الحوالک شرح موطأ مالک، علامہ سیوطی	قاہرہ
۱۲	ترتیب المدارک، قاضی عیاض	بیروت
۱۳	تدریب الراوی، علامہ سیوطی	قاہرہ
۱۴	تاریخ اسلام، علامہ ذہبی	قاہرہ
۱۵	التمہید، علامہ ابن عبدالبر	رباط

۱۶	تہذیب الأسماء واللغات، امام نووی	بیروت
۱۷	تہذیب التہذیب، علامہ ابن حجر	حیدرآباد
۱۸	تاریخ بغداد، علامہ خطیب بغدادی	قاہرہ
۱۹	التعلیق الممجد، علامہ عبدالحی لکھنوی	بیروت
۲۰	تاریخ طبری	قاہرہ
۲۱	صحیح بخاری	ہندوستان
۲۲	سنن ترمذی	ہندوستان
۲۳	الجمع بین رجال الصحیحین، ابن القیسرانی	حیدرآباد
۲۴	حسن المحاضرۃ، علامہ سیوطی	قاہرہ
۲۵	حلیۃ الأولیاء، ابونعیم اصفہانی	قاہرہ
۲۶	حیات مالک، علامہ سید سلیمان ندوی	ہندوستان
۲۷	حیاۃ الإمام مالک، ابوزہرہ	بیروت
۲۸	حیاۃ الإمام مالک، امین خولی	قاہرہ
۲۹	حجۃ اللہ البالغۃ، شاہ ولی اللہ دہلوی	قاہرہ
۳۰	خلاصۃ تذہیب تہذیب الکمال، علامہ خزرجی	قاہرہ
۳۱	الدیباج، ابن فرحون	قاہرہ
۳۲	الرسالۃ المستطرفۃ، علامہ کتانی	کراچی
۳۳	سنن نسائی	قاہرہ

۳۴	شرح موطأ، علامہ زرقانی	قاہرہ
۳۵	شرح موطأ، علامہ باجی	قاہرہ
۳۶	شذرات الذہب، ابن عماد حنبلی	قاہرہ
۳۷	الطبقات الکبری، علامہ شعرانی	قاہرہ
۳۸	طبقات الشافعیہ، علامہ سبکی	قاہرہ
۳۹	طبقات الحفاظ، علامہ سیوطی	قاہرہ
۴۰	طبقات الشیر ازی	بیروت
۴۱	طبقات ابن ہدایۃ اللہ	بیروت
۴۲	طبقات ابن سعد	قاہرہ
۴۳	العبر، علامہ ذہبی	کویت
۴۴	عارضۃ الأحوذی، ابن العربی	قاہرہ
۴۵	کشف الظنون، حاجی خلیفہ	استنبول
۴۶	القاموس المحیط، علامہ فیروزآبادی	قاہرہ
۴۷	اللباب فی تہذیب الأنساب، ابن اثیر	قاہرہ
۴۸	میزان الاعتدال، علامہ ذہبی	قاہرہ
۴۹	المنتظم، علامہ ابن الجوزی	حیدرآباد
۵۰	الموطأ، تحقیق: فواد عبد الباقی	قاہرہ
۵۱	مقدمہ ابن خلدون	قاہرہ

۵۲	مقدمہ فتح الباری، علامہ ابن حجر	قاہرہ
۵۳	النجوم الزاہرۃ، ابن تغری بردی	قاہرہ
۵۴	نیل الابتہاج، بابا احمد تنبکتی	قاہرہ
۵۵	المسوی، شاہ ولی اللہ دہلوی	ہندوستان
۵۶	المصفی، شاہ ولی اللہ دہلوی	ہندوستان
۵۷	المستدرک، امام حاکم ابوعبداللہ	حیدرآباد
۵۸	وفیات الاعیان، ابن خلکان	قاہرہ
۵۹	الموافقات، علامہ شاطبی	قاہرہ

(اشاریہ)

شخصیات

الف

ب

پ، ت، ث

ج

ح

خ

د

ذ

ر

ز

س

ص

ط

ع

ن

ی

مقامات

الف

ب

د

ر

س

ش

ص

ط

ع، غ

ف

ق، ک

ن، و

ہ، ی

کتابیں

الف

ب

خ

د

ر

س

ش

ص، ض

ط

ق

ک

ن

و

مصنف کی دیگر اہم کتابوں کی فہرست

(۱)الإمام البخاری	عربی	دمشق
(۲)الإمام ابوداود المحدث الفقیہ	عربی	دمشق
(۳)الإمام مالک ومکانتہ کتابہ الموطأ	عربی	ابوظبی
(۴)علم رجال الحدیث	عربی	القاہرہ
(۵) أعلام المحدثین فی الہند	عربی	ابوظبی
(۶)دراستہ لکتب السیرۃ القدیمۃ ومصادرہا الأولی	عربی	دوحہ،قطر
(۷)السنۃ مع المستشرقین والمستغربین	عربی	مدینہ منورہ
(۸)لمحۃ عن تعریف أھم مراجع السنۃ	عربی	ابوظبی
(۹)ظفر الأمانی فی شرح مختصر الجرجانی (تحقیق وتعلیق)	عربی	بیروت
(۱۰)کتاب الزہد الکبیر (تحقیق وتعلیق)	عربی	کویت،ابوظبی
(۱۱)التعلیق الممجد ۳ جلدوں میں (تحقیق وتعلیق)	عربی	بیروت
(۱۲)أوجز المسالک ۱۸ جلدوں میں (تحقیق وتعلیق)	عربی	بیروت
(۱۳)بذل المجہود ۲۱ جلدوں میں (تحقیق وتعلیق)	عربی	بیروت (زیرطبع)
(۱۴)محدثین عظام اوران کے علمی کارنامے	اردو	لکھنؤ،کراچی
(۱۵)فن اسماء الرجال	اردو	لکھنؤ
(۱۶)صحبتے با اولیاء	اردو	لکھنؤ،کراچی
(۱۷)چاند کی تسخیر	اردو،انگریزی	گجرات
(۱۸)اسباب زلزلہ	گجراتی	گجرات
(۱۹)مستشرقین اور علم حدیث	اردو	معارف اعظم گڑھ
(۲۰)امام مالک اوران کی کتاب ''موطأ'' کا مقام	اردو	جامعہ اسلامیہ اعظم گڑھ

ان کے علاوہ دیگر مقالات ورسالے ہیں جن کا ذکر اختصار کے پیش نظر حذف کیا جارہا ہے۔

مرکز الشیخ أبی الحسن الندوی
ایک نظر میں

مدارس اسلامیہ کے ساتھ ساتھ علمی وتحقیقاتی مراکز قائم کرنا وقت کی اہم ترین ضرورت اور ایک علمی، دینی اور اصلاحی فریضہ ہے، اسی جذبہ کے تحت ہندوستان کے مشہور عالم دین، محدث جلیل، محقق عصر حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی مظاہری (بانی و سرپرست جامعہ اسلامیہ مظفر پور اعظم گڑھ) نے اپنے قائم کردہ عظیم اسلامی دانش کدہ اور ملک کی مشہور درسگاہ جامعہ اسلامیہ کے کیمپس میں ایک با مقصد علمی و تحقیقی عظیم الشان مرکز قائم فرمایا ہے، مولانا تقی الدین صاحب ندوی مظاہری خود فرماتے ہیں:

''حضرت مولانا علی میاں صاحبؒ کی جو شفقت اس ناچیز پر رہی ہے اس کا تقاضہ تھا کہ ان کی یادگار جامعہ اسلامیہ میں قائم کی جائے، حضرت والاؒ اس جامعہ میں تقریباً دس مرتبہ تشریف لا چکے ہیں اور کبھی کبھی چند روز قیام فرمایا ہے، اسی طرح ان کے قائم مقام حضرت مولانا محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ مع محترم مولانا واضح رشید حسنی ندوی مدظلہ اور رفقاء کے بار بار تشریف لاتے رہے ہیں، اس بنا پر یہ ضروری سمجھا گیا کہ ان کے نام نامی کے ساتھ یہ مرکز منسوب کیا جائے۔

یہ مرکز جو جامعہ اسلامیہ کے تحت قائم کیا گیا ہے اس میں صرف ایک اچھے کتب خانہ کا قیام ہی پیش نظر نہیں ہے بلکہ علمی و تحقیقی کام کرنا مقصود ہے، خصوصیت کے ساتھ جس کا تعلق علوم حدیث سے ہے۔

''مرکز الشیخ أبی الحسن الندوی'' کے اغراض ومقاصد

(۱) ایک عظیم الشان علمی، تاریخی، ادبی اور ثقافتی مکتبے کا قیام۔

(۲) علماء ہند کی علوم حدیث پر وہ کتابیں جو اب تک عالم عرب میں نئے اسلوب وفہارس کے ساتھ نہیں آسکی ہیں ان کو تیار کرنا اور اس قابل بنانا کہ عرب ممالک میں جدید علمی وتحقیقی معیار پر شائع کرائی جاسکیں۔

(۳) اس عظیم کام کے لئے ان علماء ومراکز سے تعاون حاصل کرنا بھی پیش نظر ہے جن سے بسہولت ہمارے اس کام میں مدد مل سکے اور ان کو ان کے کام کی مناسبت سے مکافاۃ بھی دی جائے گی۔

(۴) بہت سی اہم کتابیں جو علوم حدیث یا دیگر علوم اسلامیہ پر لکھی گئی ہیں ان کا اردو میں ترجمہ کرانا یا جو کتابیں ہندوستانی علماء نے تصنیف کی ہیں ان کو عربی میں منتقل کرانا بھی پیش نظر ہے، بشرطیکہ ایسے افراد مل سکیں جو اس کام کو بخوبی انجام دے سکیں۔

(۵) علماء وباحثین سے روابط پیدا کرنا اور ان سے استفادہ کی راہ ہموار کرنا۔

الحمد للہ مرکز کی پرشکوہ بلند وبالا جلیل وجمیل تین منزلہ شاندار عمارت تیار ہوچکی ہے تقریباً پچاس ہزار کتابیں اس میں دستیاب ہیں اور بہت جلد ''لاکھوں کتابوں پر مشتمل کتب خانہ'' کا خواب شرمندۂ تعبیر ہونے والا ہے، مرکز کے شعبۂ نشر واشاعت کی طرف سے عربی زبان میں دو اہم اور جلیل القدر کتابیں "أوجز المسالك إلى موطأ مالك" اور "الشیخ محمد یوسف الکاندھلوی حیاته و منهجه فی الدعوة" شائع ہوکر مقبول خاص وعام ہورہی ہیں، اب مرکز کو قارئین کی خدمت میں ''امام مالک اور ان کی کتاب موطأ کا مقام'' پیش کرنے کی سعادت حاصل ہورہی ہے اور بہت جلد ان شاءاللہ ''أعلام المحدثین ومآثرهم العلمیة'' مرکز کی طرف سے منظر عام پر آنے والی ہے۔